



اسلام اور نبوت محمدی کے خلاف ایک بغاوت

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

www.KitaboSunnat.com

مجلس نشریات اسلام ۱ کے ۳۔ ناظم آباد کراچی ۱۵

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب

عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

قادیانیت

مطالعہ و جائزہ

LIBRARY

Lahore

Book No.

Islamic

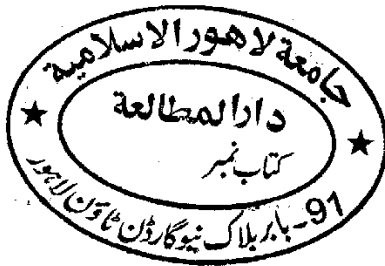
University

002679

Delaware Block, Garden Town, Lahore

مُفکّر اسلام

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی



مجلس نشریات اسلام

۱۔ کے۔ ۲۔ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد، کراچی۔ ۷۴۶۰۰

جملہ حقوق طباعت و اشاعت پاکستان میں
بحق فضل ربی ندوی محفوظ ہیں۔

ن دو - ق -

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

- انجم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
- رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند
- مدرسہ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ
- رکن مجلس انتظامی و مجلس دارالصفین اعظم گڑھ
- رکن عربی اکادمی دمشق
- رکن مجلس شوریٰ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ
- رکن مجلس تاسیس رابطہ عالم اسلامی مکہ منکرہ
- رکن مجلس عاملہ مؤتمر عالم اسلامی بیروت
- رکن مجلس انتظامی اسلامک سینٹر جنیوا
- سابق وزیٹنگ پروفیسر دمشق یونیورسٹی و مدینہ یونیورسٹی

نام کتاب	_____	قادیانیت (مطالعہ و جائزہ)
تصنیف	_____	مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
طباعت	_____	شکیل پرنٹنگ پریس - کراچی
صفحات	_____	۱۸۸ صفحات
ٹیلیفون	_____	۶۲۱۸۱۴

ناشر
فضلہ ربیہ ندوی

مجلس نشریات اسلام ۱۔ م۔ ۲۔ انجم آباد منیشن۔ انجم آباد کراچی ۴۶۰

www.KitaboSunnat.com

فہرس

حرف گفتنی

باب اوّل

تحریک کانانہ اور ماحول اور اُس کی بُنیادی شخصیتیں

فصل اوّل :- انیسویں صدی عیسوی کا ہندوستان

فصل دوم :- مرزا غلام احمد صاحب قادیانی

فصل سوم :- حکیم نور الدین صاحب بھیروی

باب دوم

مرزا غلام احمد صاحب کے عقیدہ اور دعوت کا تدریجی ارتقا اور عادی کی ترتیب

فصل اوّل :- مرزا صاحب مصنف اور مبلغ اسلام کی حیثیت سے

فصل دوم :- مسیح موعود کا دعویٰ

فصل سوم :- مسیح موعود کے دعویٰ سے نبوت تک

باب سوم

مرزا صاحب کی میرت و زندگی پر ایک نظر

- فصل اوّل :- دعوت کے فروغ اور رجوع عام کے بعد مرزا صاحب کی زندگی
 فصل دوم :- انگریزی حکومت کی تائید و حمایت اور جہاد کی ممانعت
 فصل سوم :- مرزا صاحب کی درشت گھلامی اور دشنام طرازی
 فصل چہارم :- ایک پیشگوئی جو پوری نہیں ہوئی

باب چہارم

تحریک قادیانیت کا تنقیدی جائزہ

- فصل اوّل :- ایک مستقل مذہب اور ایک تنوازی اُمت
 فصل دوم :- نبوتِ محمدی کے خلاف بغاوت
 فصل سوم :- قادیانیت کی لاہوری شاخ اور اس کا عقیدہ اور تفسیر
 فصل چہارم :- قادیانیت نے اسلام کو کیا عطا کیا

کتاب کے آخر



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَا نَبِیَّ بَعْدَهُ

حرفِ گفتنی

دسمبر ۱۹۵۷ء کے اواخر اور جنوری ۱۹۵۸ء کے اوائل میں پنجاب یونیورسٹی کے زیرِ اہتمام لاہور میں مجلسِ مذاکراتِ اسلامی (اسلامک کلوزیم) کا انعقاد ہوا، جس میں عالمِ اسلام اور مغربی ممالک کے بہت سے ممتاز و نامور اہلِ علم و اہلِ فکر نے شرکت کی۔ خاص طور پر مشرقِ اوسط کے سربراہ اور وہ علماء نے اپنے ملک کی نمائندگی کی۔ مجلسِ مذاکرات کے ناظم و داعی کی طرف سے دعوت وصول ہونے کے باوجود راقمِ سطور ان تادمِ خوں میں نہیں پہنچ سکا۔ مجلس کے اختتام کے بعد ہی جب لاہور پہنچا تو مجلسیں اس کے تذکرے سے گرم تھیں خصوصیت کے ساتھ مصر و شام کے ناخداؤں نے شریعتِ اسلام کی جو پر زور و کالت اور اپنی دینی حیثیت کا جواہرِ مظاہرہ کیا تھا، اس کا اعتراف اور تذکرہ عام تھا۔

اس مجلس میں شرکت کے لئے مصر و شام و عراق کے جو علماء و اساتذہ آئے تھے انھوں نے ہندوستان و پاکستان کی مشہور مذہبی تحریک قادیانیت اور اس کے اساسی عقائد و خیالات کے متعلق صحیح معلومات حاصل کرنے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ ان کی یہ جستجو اور

تحقیق کا شوق بالکل حق بجانب اور قدرتی امر تھا۔ اسی زمین میں اس تحریک کا ظہور اور نشوونما ہوا اور یہیں سے اس کے متعلق مستند معلومات اور مواد حاصل ہو سکتا ہے۔ اس موقع پر ان کے پاکستانی و ہندوستانی دوستوں کو اس خلا کا شدت کے ساتھ احساس ہوا کہ ان کو پیش کرنے کے لئے عربی میں جدید طرز کی کوئی کتاب موجود نہیں۔ اسی احساس کا نتیجہ تھا کہ میں جب لاہور پہنچا تو میرے شیخ و مرقد حضرت مولانا عبد القادر صاحب سائے پوری مدظلہ نے اس موضوع پر عربی میں ایک مکمل کتاب کی تالیف کا حکم دیا۔

شرقی اوسط کی سیاحت اور مصر و شام کے قیام کے دوران میں اگرچہ بار بار اس ضرورت کا خود احساس ہوا تھا لیکن اس کی طرف توجہ کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ موضوع اقتاد طبع ادا اس وقت تک کی دہنی تربیت کے خلاف تھا۔ مصنف کا ذوق اس وقت تک قادیانی لٹریچر اور خود مرزا صاحب کی تصنیفات کے محقر سے محقر حصہ کے مطالعہ کے لئے بھی کبھی آمادہ نہیں ہو سکا تھا اور وہ اس کوچہ سے یکسر نا بلد تھا۔ لیکن اس تحریک نے

لے افسوس ہے کہ ۱۴ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ یوم پنجشنبہ مطابق ۱۶ اگست ۱۹۶۲ء کو لاہور میں آپ نے وفات پائی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ و رفع درجاتہ۔

لے اس سے پیشتر ۱۹۵۳ء میں مصنف کا ایک محقر سالہ (جو دراصل ایک خط تھا جو تحریک ختم نبوت کے دوران میں چند عرب دوستوں کو بھیجا گیا تھا) ”القادیانیۃ ثبوتہ علی النبوۃ المصنوعۃ والاسلام کے نام سے شائع ہوا۔ اس مکتوب یا رسالہ کی تحریر کے وقت ناظم کے پیش نظر صرف اردو کے دو ایک رسائل تھے اور انہیں کی مدد سے یہ رسالہ لکھا گیا تھا۔ اس لئے مصنف کا یہ لکھنا صحیح ہے کہ اس کو اس کتاب ”قادیانیت کی تصنیف کے وقت تک اصل قادیانی لٹریچر کے مطالعہ کا اتفاق نہیں ہوا تھا اور وہ اس کوچہ سے یکسر نا بلد تھا۔“

(جس کی تعبیل عین سعادت تھی) اس موضوع کی طرف پوری طرح متوجہ ہونے کی تقریب پیدا کر دی۔ چند ہی دن میں قیام گاہ کا ایک کمرہ قادیانی لٹریچر کا کتاب خانہ اور دارالتصنیف بن گیا اور پوری یکسوئی اور اہماک کے ساتھ یہ کام شروع ہوا۔ ایک مہینہ اس علمی و تصنیفی اعتکاف میں اس طرح گزرا کہ گویا دنیا کی خبر نہ تھی اور سوائے اس موضوع کے کوئی دوسرا موضوع فکر نہ تھا۔

مصنف کا ذہن چونکہ فطرۃً تاریکھی واقع ہوا ہے اور وہ اس شہر میں بالکل نو وارد تھا، اس لئے اُس نے اپنا سفر تحریک کے آغاز سے شروع کیا اور اس کے نشوونما اور ارتقاء کی ایک ایک منزل اور ایک ایک مرحلہ کا جائزہ لیتا ہوا چلا۔ گویا اس کے مشاہدات و معلومات تحریک کے طبعی نشوونما کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ اس طرزِ مطالعہ نے تحریک کی فطرت مزاج اور اس کے تدریجی ارتقاء اور اس کے مضمرات کے سمجھنے میں بڑی مدد دی اور بعض ایسے حقائق کا انکشاف کیا جو اس تحریک کو ایک شکل میں دیکھنے سے ظاہر نہیں ہو سکتے۔ مصنف نے مرزا غلام احمد صاحب کی تصنیفات کا براہِ راست مطالعہ کیا اور انھیں کے ذریعہ ان کی دعوت و تحریک اور نظام کو سمجھنے اور ایک غیر جانبدار مورخ اور طالبِ حق کی طرح آئندہ رائے قائم کرنے کی کوشش کی۔ اس مطالعہ و نتیجہ کا نتیجہ وہ عربی کتاب تھی جو القادیانی والہ قادیانیۃ (مرزا غلام احمد صاحب اور ان کی تحریک قادیانیت) کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

اس کتاب کے تیار ہو جانے کے بعد حضرت مولانا عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حکم ہوا کہ اس کا اردو میں ترجمہ بھی کر دیا جائے چونکہ اس ترجمہ میں اصل عبارتوں کو نقل کرنا تھا، اس لئے دوبارہ اس پورے کتب خانہ کی ضرورت پیش آئی جو لاہور میں فراہم کیا گیا

تھا۔ مناسب سمجھا گیا کہ اس کام کی تکمیل بھی لاہور میں ہو، چنانچہ دوبارہ لاہور کا سفر کیا گیا اور الحمد للہ کہ یہ عربی کتاب اردو میں منتقل ہو گئی۔ اس کتاب کو ترجمہ کہنے کے بجائے اس موضوع پر مستقل تصنیف کہنا زیادہ صحیح ہو گا۔ عبارتیں عربی کتاب میں حوالہ دیا گیا ہے (پوری احتیاط کے ساتھ اپنے صحیح آخذ سے نقل کی گئی ہیں۔ عربی کے مقابلہ میں کچھ قیمتی اضافے اور بعض مفید ترمیمیں بھی کی گئی ہیں۔

مناظرانہ و مکالمہ مباحث کی ہندوستان کے دورِ اخیر میں ایک خاص زبان اور خاص اسلوب تحریر بن گیا ہے جس کی پابندی ضروری بھی جاتی ہے۔ مصنف نے اس کی پابندی ضروری نہیں سمجھی۔ اس کتاب میں مناظرانہ جوش کے بجائے سوزِ خانہٴ متانت زیادہ ملے گی اور جو لوگ مناظرانہ و فریقانہ کتابوں کے ایک خاص طرز اور لہجہ کے حامی ہیں شاید ان کو اس کتاب کو پڑھ کر یاسی اور شکایت ہو، لیکن مصنف اس کے لئے مُعذرت کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ اس نے یہ کتاب جس طبقہ اور جس مقصد کے لئے لکھی ہے اور جو معیار اس کے لئے مقرر کیا ہے، اس کے لئے یہی طرز مناسب تھا۔

میں اپنے ان تمام بزرگوں اور دوستوں کا شکریہ گزارا ہوں جنہوں نے میری علمی رہنمائی کی ضروری کتابیں فراہم کیں اور اس کام کی تکمیل کے لئے زیادہ سے زیادہ سہولت اور راحت کا اہتمام کیا۔ اگر ناچیز مصنف نے اس کتاب کی تالیف سے دین کی کوئی خدمت انجام دی ہے تو یقیناً یہ سب اس اجر میں شریک ہیں۔

قارئین سے آخر میں یہ گزارش کرنی ہے کہ زندگی تو بڑی چیز ہے، انسان اپنے حقیر سے حقیر اندوختہ اور ملکیت بھی بے محل صرف کرنے سے احتیاط کرتا ہے اور اس کی حفاظت کے لئے بھی امین و محافظ کی تلاش کرتا ہے۔ ایمان (جس پر نجات اور آخرت کی

ابدی سعادت کا انحصار ہے) یقیناً اس سے زیادہ مستحق ہے کہ انسان کے بارے میں پوری احتیاط اور غور فکر سے کام لے اور جذبات و تعلقات اور دنیوی منافع سے بالکل صرف نظر کر لے۔ یہ کتاب اپنے مستند و مرتب معلومات، باقی تحریک کے بیانات اور تحریریں اور تاریخی وثائق کے ذریعے وہ روشنی اور مواد فراہم کرتی ہے جو ایک سلیم الطبع اور انصاف پسند انسان کو صحیح اور بے لگ رائے قائم کرنے اور صحیح نتیجہ تک پہنچنے میں مدد دیتے ہیں۔ وَعَلَى اللَّهِ تَصَدَّقُ السَّبِيلُ»

پروفیسر محمد الیاس برنی مرحوم کی کتاب ”قادیانی مذہب“ نے مصنف کی ابتداء رہنمائی کی اور اس سے کتاب کی ترتیب کا خاکہ بنانے میں بڑی مدد ملی۔ اگرچہ مصنف نے منقولات و اقتباسات پر اکتفا نہیں کیا اور مرزا صاحب اور قادیانی جماعت کی تصنیفات کا براہ راست اور بطور خود مطالعہ کیا۔ پھر بھی اس جلیل القدر کتاب سے بہت سے قادیانی مآخذ کا علم ہوا۔ اور یکجا بہت سے معلومات حاصل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی دینی حریت اور علمی خدمت قبول فرمائے اور ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

ابراہیم علی

لاہور جمعہ ۱۱ ربیع الاول ۱۳۷۸ھ

باب اول

تحریک کا زمانہ اور ماحول اور اس کی مرکزی بنیادی شخصیتیں

فصل اول

انیسویں صدی عیسوی کا ہندوستان

انیسویں صدی عیسوی تاریخ میں اس لحاظ سے خاص اتنیاز رکھتی ہے کہ اسلامی ممالک میں دماغی بے چینی اور اندرونی کشمکش اپنے شباب کو پہنچ چکی تھی۔ ہندوستان اس بے چینی و کشمکش کا خاص میدان تھا۔ یہاں بیک وقت مغربی و مشرقی تہذیبوں، جدید و قدیم نظامِ تعلیم اور نظامِ فکر اور اسلام و مسیحیت میں معرکہ کارزار گرم تھا اور دونوں طاقتیں زندگی کے لئے ایک دوسرے سے نبرد آزما تھیں۔

۱۸۵۷ء کی آزادی کی کوشش ناکام ہو چکی تھی۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے دل شکست کے صدمہ سے زخمی اور اُن کا دماغ ناکامی کی چوٹ سے مغلوج ہو رہا تھا۔ وہ دوسری غلامی کے خطرہ سے دوچار تھے۔ سیاسی غلامی اور تہذیبی غلامی۔ ایک طرف نوٹیز فاتح انگریزی سلطنت نے نئی تہذیب و ثقافت کی توسیع و اشاعت کا کام شروع کر دیا تھا۔ دوسری طرف ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پھیلے ہوئے عیسائی پادری مسیحیت کی دعوت و تبلیغ میں خاص سرگرمی دکھا رہے تھے۔ وہ عقائد میں تزلزل پیدا کر رہے تھے اور عقیدہ اور شریعت اسلامی کے ماخذوں اور حشرِ شمول کے بارے میں تشکیک اور بدگمان بنادینے کو اپنی بڑی کامیابی سمجھتے تھے۔ مسلمانوں کی نئی نسل جس پر اسلامی تعلیمات نے پورے طور پر اثر نہیں کیا تھا۔ اس

دعوت و تلقین کا خاص طور پر ہدف اور اسکول و کالج اس ذہنی انتشار اور اندرونی کشمکش کا خصوصیت کے ساتھ میدان تھے۔ ہندوستان میں قبولِ مسیحیت کے واقعات بھی پیش آنے لگے۔ لیکن اس وقت کا اصل مسئلہ اور اسلام کے لئے صحیح خطرہ ارتداد نہ تھا بلکہ الحاد اور عقائد میں تردد و تزلزل تھا۔ عیسائی پادریوں اور مسلمان عالموں میں جابجا مناظرے اور مباحثے ہوئے جن میں عام طور پر علمائے اسلام کو فتح ہوئی اور عیسائیت کے مقابلہ میں اسلام کا علمی اور عقلی تفوق اور استحکام ثابت ہوا، لیکن ان سب کے نتیجہ میں بہر حال طبیعتوں میں ایک بھینسی اور افکار و عقائد میں تزلزل پیدا ہو رہا تھا۔ دوسری طرف فرق اسلامیکہ آپس کا اختلاف تشویشناک صورت اختیار کر گیا تھا۔ ہر فرقہ دوسرے فرقہ کی تردید میں سرگرم اور مکر بستہ تھا۔ مذہبی مناظروں اور مجادلوں کا بازار گرم تھا، جن کے نتیجہ میں اکثر زہد و کوب، قتل و قتال اور عدالتی چارہ جویوں کی نوبت آتی۔ سارے ہندوستان میں ایک مذہبی خانہ جنگی سی برپا تھی۔ اس صورتِ حال نے بھی ذہنوں میں انتشار و تعلقات میں کشیدگی اور طبیعتوں میں بیزاری پیدا کر دی تھی اور علماء کے وقار اور دین کے احترام کو بڑا صدمہ پہنچا تھا۔

دوسری طرف خام صوفیوں اور جاہل دلق پوشوں نے طریقت و ولایت کو باز کچھ اطفال بنا رکھا تھا۔ انھوں نے اپنے ”شطحات“ و الہامات کی بڑے پیمانے پر اشاعت کی تھی۔ جابجا لوگ الہام کا دعویٰ اور عجیب و غریب خوارق اور اشارتوں کی روایت کرتے پھرتے تھے۔ اس کے اثر سے عوام میں اسرار و رموز، خوارق و کرامات اور غیبی اطلاعات خوابوں اور پیش گوئیوں کے سننے کا غیر معمولی شوق پیدا ہو گیا تھا

لے وہ کلمات و ملفوظات جو صوفیا سے غلبہ حال اور سکر میں صادر ہوتے ہیں۔

جو شخص یہ جنس جتنی زیادہ پیش کرتا تھا اتنا ہی وہ عوام میں مقبول ہوتا اور ان کی عقیدت و احترام کا مرکز بننا اختیار و رویشوں اور چالاک دین فروشوں نے عوام کی اس ذہنیت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا، طبیعتیں اور دماغ ناقابل فہم چیز کے قبول کرنے کے لئے ہر نئی چیز کو ماننے کے لئے، ہر دعوت و تحریک کا ساتھ دینے کے لئے اور ہر روایت و افسانے کی تصدیق کے لئے تیار ہو گئی تھیں۔

مسلمانوں پر عام طور پر یاس و ناامیدی اور حالات و ماحول سے شکست خوردگی کا غلبہ تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جدوجہد کے انجام اور مختلف دینی اور عسکری تحریکوں کی ناکامی کو دیکھ کر متدل اور معمولی ذرائع اور طریقہ کار سے انقلابِ حال اور اصلاح سے لوگ مایوس ہو چکے تھے اور عوام کی بڑی تعداد کسی مردِ غیب کے ظہور اور ملہم اور موبدین اللہ کی آمد کی منتظر تھی۔ کہیں کہیں یہ خیال بھی ظاہر کیا جاتا تھا کہ تیرہویں صدی کے اختتام پر مسیح موعود کا ظہور ضروری ہے۔ مجلسوں میں زمانہ آخر کے فتوں اور واقعات کا چرچا تھا۔ شاہِ نعمت اللہ ولی کشمیری کے طرز کی پیش گوئیوں اور الہامات سے سہارا حاصل اور غم غلط کیا جاتا تھا۔ خواب، فالوں اور غیبی اشاروں میں مقناطیس کی کشش تھی اور وہ ٹوٹے ہوئے دلوں کے لئے مومیائی کا کام دیتے تھے۔

پنجاب ذہنی انتشار و بے چینی، ضعیف الاعتقادی اور دینی ناواقفیت کا خاص مرکز تھا۔ ہندوستان کا یہ علاقہ اسی برس تک مسلسل سکھ حکومت کے مصائب برداشت کر چکا تھا جو ایک طرح کی مطلق العنان فوجی حکومت تھی، ایک صدی سے کم کے کس عرصہ میں پنجاب کے مسلمانوں کے عقائد میں تزلزل اور دینی حیثیت میں خاصا صُنع آچکا تھا۔ صحیح اسلامی تعلیم عرصہ سے مفقود تھی۔ اسلامی زندگی اور معاشرے کی بنیادیں متزلزل ہو چکی تھیں۔ دماغوں اور طبیعتوں میں انتشارِ پرگندگی

حق اور مختصراً اقبالی کے الفاظ میں ہے

خالصہ ششیر و قرآن لا یرو

اندراں کشور سلسلانی یخرو

اس ضرورت حال نے پنجاب کو ذہنی بغاوت اور ایک ایسی حدت پسند تحریک و دعوت کے سرسبز و کامیاب ہونے کے لئے موزوں ترین میدان بنا دیا تھا جس کی بنیاد تلویلات والہامات پر ہو۔ قوم کے بڑے حصہ کا مزاج وہ بن گیا تھا جس کو اقبال نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے

توہم میں بہت تازہ پستان کی طبیعت کرے کہیں منزل تو گزرتا ہے بہت جلد
تحقیق کی بلندی ہر شے شکر نہیں کرتا ہو کھیل مریدی کا تو ہر تار ہے بہت جلد
تاویل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے یہ شاخ نشین سے اترتا ہے بہت جلد

اس انیسویں صدی کا اختتام تھا کہ مرزا غلام احمد صاحب اپنی نئی دعوت تحریک کے ساتھ منظر عام پر آئے۔ ان کو اپنی دعوت اور اپنے حوصلوں اور بلند ارادوں کی کمی تھیں کے لئے مناسب زمانہ اور مناسب جگہ ملی۔ طبیعتوں کی عام بے حدی عوام کی عجاب پرستی، معتدل ذرائع اصلاح و انقلاب سے مایوسی، علماء کے وقار و اعتماد کا زوال و تنزل، غمہ ہی بحثوں کی گرم بازاری اور اس کے نتیجے میں عامیہ ذوق جستجو اور طبیعتوں کی آزادی، ہر چیز ان کے لئے معاون اور سازگار ثابت ہوئی۔ دوسری طرف حکومت وقت نے رجمو مجاہدین کی تحریک سے رک اٹھا چکی تھی اور مسلمانوں کے جذبہ جہاد اور جوش مذہبی سے پریشان و ہراساں رہتی تھی، اس تحریک کا غیر مقدم کیا جس نے حکومت برطانیہ کے ساتھ وفاداری اور اخلاص کو اپنے بنیادی عقائد اور

لے مزید کلیم

مقاصد میں شامل کیا تھا اور جس کے بانی کا حکومت کے ساتھ قدیم اور غیر مشتبہ تعلق تھا۔ ان تمام عناصر و اسباب نے مل کر وہ مناسب و معاون ماحول فراہم کیا جس میں یہ تحریک وجود میں آئی اور اس نے اپنے پیرو اور ہم خیال پیدا کر لئے اور ایک مستقل فرقہ کی بنیاد پڑ گئی۔

اسی تحریک کے ظہور اور ارتقاء اس کے مزاج و نظام، اس کے نتائج و اثرات اور اس کی دینی و تاریخی حیثیت پر ہم آئندہ صفحات میں تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

فصل دوم

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی

نسب اور خاندان

مرزا صاحب کا نسب تعلق مغل قوم اور اس کی خاص شاخ برلاس سے ہے۔ کتاب البریہ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں ”ہماری قوم مغل برلاس ہے“ لیکن کچھ عرصہ کے بعد ان کو بذریعہ الہام معلوم ہوا کہ وہ ایرانی النسل ہیں۔ اسی کتاب کے حاشیہ پر وہ لکھتے ہیں :-

”الہام میری نسبت یہ ہے ”الایمان معلقا بالثریا
لنا لہ رحل من نار تیغ“ یعنی اگر ایمان ثریا سے معلق
ہوتا تو یہ مرد جو ناری لاشی الاصل ہے وہ جا کر اس کو لے لیتا۔ اور پھر ایک
تیسرا الہام میری نسبت یہ ہے :- ان الذین صغروا رد
علیہم رحل من نار من شکر اللہ سحیہ۔

اے مرزا صاحب کے حالات کے سلسلہ میں ہم نے خود مرزا صاحب کے بیانات، تقریقات اور ان کی تحریروں پر گفتگو کی ہے اس کے بعد ان کے حالات زندگی کے سلسلہ میں اس کتاب کا سب سے بڑا ماخذ ان کے صاحبزادے میرزا بشیر احمد صاحب کی تصنیف سیرۃ المہدی اور قلوب الی جماعت کی دوسری مستند کتابیں ہیں۔ کتاب البریہ حاشیہ صفحہ ۱۳۴ سے یہ حدیث صحاح میں الغلطی کے خفیہ اختلاف کے ساتھ آئی ہے بعض روایتوں میں رحال من نار سے بھی ہے۔ علامہ محمد ثناء نے اس سے حضرت سلمان فارسیؓ اور ان ایرانی النسل علماء و اکابر کو مراد لیا ہے جو اپنی قوت ایمانی اور عظمت دینی میں خاص امتیاز رکھتے تھے انھیں میں امام ابوحنیفہؒ بھی ہیں جو ناری لاشی الاصل ہیں۔

یعنی جو لوگ کافر ہوئے اس مرد نے جو فارسی الاصل ہے ان کے مذاہب کو رد کر دیا۔ خدا اس کی کوشش کا شکر گزار ہے۔ یہ تمام اہامات ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارے آباؤ اولین فارسی تھے۔ وَالْحَقُّ مَا أَظْهَرَ اللَّهُ ۛ

نیز اربعین میں لکھتے ہیں:-

”یاد رہے کہ اس خاکسار کا خاندان بظاہر مغلیہ خاندان ہے، کوئی تذکرہ ہمارے خاندان کی تاریخ میں یہ نہیں دیکھا گیا کہ وہ بنی فارس کا خاندان تھا، ہاں بعض کاغذات میں یہ دیکھا گیا کہ ہماری بعض داویاں شریف اور مشہور سادات میں سے تھیں، اب خدا کے کلام سے معلوم ہوا کہ دراصل ہمارا خاندان فارسی خاندان ہے۔ سو اس پر ہم پورے یقین سے ایمان لاتے ہیں کیونکہ خاندانوں کی حقیقت جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کسی دوسرے کو ہرگز معلوم نہیں، اسی کا علم صحیح اور یقینی اور دوسرے کا شک کی اور ظنی ہے۔“ ۛ

مرزا صاحب کے پردادا مرزا گل محمد صاحب جانبدار و املاک تھے اور پنجاب میں ان کی اچھی خاصی ریاست تھی۔ مرزا صاحب نے ان کی رہنمائی نشان ہنزک و قشام ان کے وسیع دسترخوان اور ان کے دینی اثرات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ ان کے انتقال کے بعد اس ریاست کو زوال آیا اور کچھ ریاست کے دیہاتوں پر قابض ہو گئے۔

ۛ کتاب البرہ حاشیہ صفحہ ۱۳۵ ۛ اربعین حاشیہ صفحہ ۱۴ ۛ ملاحظہ ہو حاشیہ کتاب البرہ

صفحہ ۱۳۶ تا ۱۴۲۔

یہاں تک کہ مرزا صاحب کے دادا مرزا عطا محمد صاحب کے پاس صرف قادیان رہ گیا
آہستہ میں سکھوں نے اس پر سبھی قبضہ کر لیا اور مرزا صاحب کے خاندان کو قادیان سے
نکال دیا۔ ہمارا جہ رنجیت سنگھ کی سلطنت کے آخر زمانہ میں مرزا صاحب کے والد مرزا
غلام مرتضیٰ قادیان واپس آئے اور مرزا صاحب موصوف کو اپنے والد صاحب کے
علاقہ میں پانچ گاوؤں واپس لے لے۔

مرزا صاحب کا خاندان انگریزی حکومت سے جو پنجاب میں نئی نئی قائم ہوئی تھی
شروع سے وفادارانہ و منصفانہ تعلق رکھتا تھا۔ اس خاندان کے متعدد افراد نے اس نئی
حکومت کی ترقی اور اس کے استحکام میں جاں بازی اور جاں نثاری سے کام لیا تھا۔
اور بعض نازک موقعوں پر اس کی مدد کی تھی۔ مرزا صاحب کتاب البریہ کے شروع میں
”استہار واجب الانظار“ میں لکھتے ہیں:-

”میں ایک ایسے خاندان سے ہوں جو اس گورنمنٹ کا پکا خیر خواہ ہے
میرا والد مرزا غلام مرتضیٰ گورنمنٹ کی نظر میں وفادار اور خیر خواہ آدمی
تھا، جن کو دربار گورنری میں کرسی ملتی تھی اور جن کا ذکر مسٹر گرین
صاحب کی تاریخ ریسیان پنجاب میں ہے۔ اور ۱۸۵۷ء میں انھوں
نے اپنی طاقت سے بڑھ کر سرکار انگریزی کو مدد دی تھی، یعنی پچاس
سوار اور گھوڑے بہم پہنچا کر عین زمانہ غدر کے وقت سرکار انگریزی
کی اندامیں دیئے تھے۔ ان خدمات کی وجہ سے جو چھیتا خوشنودی
حکام ان کو ملی تھیں مجھے افسوس ہے کہ بہت سی ان میں سے گم ہو گئیں

لے ملاحظہ ہو حاشیہ کتاب البریہ صفحہ ۱۴۲ تا ۱۴۴

مگر تین چھپتیاں جو دت سے چھپ چکی ہیں ان کی نقلیں حاشیہ میں درج کی گئی ہیں۔ پھر میرے دادا صاحب کی وفات کے بعد میرا بڑا بھائی میرزا غلام قادر خدمات سرکاری میں مصروف رہا۔ اور جب تموں کے گزیر پر مفسدوں کا سرکار انگریزی کی فوج سے مقابلہ ہوا تو وہ سرکار انگریزی کی طرف سے لڑائی میں شریک تھا۔

پیدائش، تعلیم و تربیت

مرزا صاحب سیکھ حکومت کے آخری عہد ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں ضلع گورداسپور کے قصبہ قادیان میں پیدا ہوئے تھے خود ان کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے وقت وہ سولہ سترہ برس کے تھے تھے۔

مرزا صاحب نے اپنے گھریں پر متوسطات تک تعلیم پائی۔ انھوں نے مولوی فضل الہی مولوی فضل احمد اور مولوی محل علی شاہ صاحب سے نحو اور منطق کی کتابیں پڑھیں۔ لب کی کتابیں اپنے والد صاحب سے پڑھیں جو ایک حافظ طیب تھے۔ مرزا صاحب کو اپنی طالب علمی کے زمانہ میں کتابوں کے مطالعہ میں بڑا انہماک تھا وہ لکھتے ہیں:۔ ان دنوں میں مجھے کتابوں کے دیکھنے کی طرف اس قدر توجہ تھی گویا میں دنیا میں نہ تھا میرے والد صاحب مجھے بار بار یہی ہدایت کرتے تھے کہ کتابوں کا مطالعہ

لے اشتہار واجب الاظہار موضع مکتبہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۲۹۱ منطق کتاب البرہ ۱۸۹۷ء حاشیہ کتاب البرہ ۱۸۹۷ء مرزا بشیر الدین محمود صاحب نے اپنے پاس نامہ میں جو ریجمنٹ سلطانہ برطانیہ کو ۱۹۲۲ء میں پیش کیا تھا مرزا صاحب کا سن ولادت ۱۸۳۷ء لکھا ہے (صفحہ ۳۵) اس حساب سے ۱۸۵۷ء میں ان کی عمر ۲۰ سال کی ہوتی ہے ترمیم غالباً اس مقدمہ کے وقت کی گئی ہے کہ مرزا صاحب کی پیش گئی پوری جو جائے جو انھوں نے الہام الہی کے طور پر لکھیں میں درج کی ہے انھیں حیات طیبہ شامین حوق اور بیتا من و طاعت ہم تجھے ایک پاک اور آرام کی زندگی عنایت کریں گے اسی برس یا اس کے قریب قریب (دارعبین ۲۰ صفحہ ۳۹)

کم کرنا چاہیے کیونکہ وہ نہایت ہمدردی سے ڈرتے تھے کہ صحت میں فرق نہ آوے۔
 یہ سلسلہ زیادہ دنوں تک جاری نہیں رہا اور مرزا صاحب کو اپنے والد کے اصرار
 سے آبائی زمینداری کے حصول کے لئے جدوجہد اور عدالتی کارروائیوں میں
 مصروف ہونا پڑا۔ وہ لکھتے ہیں: ”مجھے افسوس ہے کہ بہت سادقت عزیز میرا
 ان جھگڑوں میں ضائع ہوا اور اس کے ساتھ ہی والد صاحب موصوف نے زمینداری
 امور کی نگرانی میں مجھے لگا دیا۔ میں اس طبیت اور فطرت کا آدمی نہیں تھا۔
 ملازمت اور مشغولیت

مرزا صاحب نے سیالکوٹ شہر میں ڈپٹی کمشنر کی کچہری میں قلیل تنخواہ پر ملازمت
 کر لی تھی۔ وہ ۱۸۶۲ء سے ۱۸۶۵ء تک چار سال اس ملازمت میں رہے۔
 دوران ملازمت میں انھوں نے انگریزی کی بھی ایک دو کتابیں پڑھیں۔
 اسی زمانہ میں انھوں نے مختاری کا امتحان دیا لیکن اس میں ناکامیاب رہے۔
 میں وہ اس ملازمت سے استعفاء دے کر قادیان آگئے اور بدستور زمینداری کے
 کاموں میں مشغول ہو گئے۔ ”مگر اکثر حصہ وقت کا قرآن شریف کے تدبر اور تفسیروں
 اور حدیثوں کے دیکھنے میں صرف ہوتا تھا۔
 اخلاق و اوصاف

میرزا صاحب بچپن ہی سے بہت سادہ لوح تھے۔ دنیا کی چیزوں سے
 ناواقفیت اور استغراقی کیفیت شروع ہی سے ان میں نمایاں تھی ان کو گھڑی میں
 چابی دینا نہیں آتا تھا۔ جب وقت دیکھنا ہوتا تھا تو گھڑی نکال کر ایک کے ہندسہ

۱۔ کتاب البرۃ صفحہ ۱۵۱۔ ۲۔ کتاب البرۃ صفحہ ۱۵۱۔ ۳۔ سیرۃ النبی ص ۱۵۱۔ ۴۔ ایضاً صفحہ ۱۵۱۔
 ۵۔ حاشیہ کتاب البرۃ صفحہ ۱۵۱۔ ۶۔ یادایام امام محمد بن عبد اللہ بن قادیانی مندرجہ اخبار الحکم قادیان خاص نمبر ۲۲ ص ۱۹۳۲۔ ۷۔ غفر
 ان قادیانی مذہب۔“

یعنی عدد سے گن کر وقت کا پتہ لگاتے تھے اور اُکلے رکھ رکھ کر ہند سے گنتے تھے اور
 منہ سے بھی گنتے جاتے تھے۔ گھڑی دیکھتے ہی وقت نہ پہچان سکتے تھے۔ لے فطر استغراق
 میں دائیں بائیں جوتے کا اتسیار مشکل ہو جاتا تھا۔ مرزا بشیر احمد صاحب سیرۃ الہدی
 میں لکھتے ہیں۔ ”ایک دفعہ کوئی شخص آپ کے لئے گرگاہی لے آیا۔ آپ نے پہن لی۔
 مگر اس کے اُلٹے سیدھے پاؤں کا آپ کو پتہ نہیں لگتا تھا۔ کئی دفعہ اُلٹی پہن لیتے
 تھے اور پھر تکلیف ہوتی تھی، بعض دفعہ آپ کا اُلٹا پاؤں پڑ جاتا تو تنگ ہو کر
 فرماتے، اُن کی کوئی چیز بھی اچھی نہیں۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا میں نے آپ کی
 سہولت کے واسطے اُلٹے سیدھے پاؤں کے لئے نشان لگا دیے تھے مگر باوجود
 اس کے آپ اُلٹا سیدھا پہن لیتے تھے اس لئے آپ نے اُسے اتار دیا۔ بار بار
 پیشاب آنے کی وجہ سے اکثر جیب میں ڈھیلے رکھتے تھے اور شیرینی سے غیر معمولی
 رغبت کی وجہ سے گڑ کے ڈھیلے بھی رکھ لیا کرتے تھے۔ سہ۔

مرزا صاحب کی صحت اور شکایتیں

مرزا صاحب کو جوانی میں مہٹیر یا کی شکایت ہو گئی تھی اور کبھی کبھی اس
 کا ایسا دورہ پڑتا تھا کہ بیہوش ہو کر گر جاتے تھے۔ یہ مرزا صاحب کبھی اس
 کو مہٹیر یا اور کبھی براق سے تعبیر کیا کرتے تھے۔ ان کو ذیابیطس اور کثرت بول
 کی بھی شکایت تھی۔ ایک جگہ یہ لکھتے ہوئے کہ ”میں ایک دائم المرض آدمی ہوں“
 تحریر فرماتے ہیں :-

” ہمیشہ در دسر، دوران سر اور کئی خواب اور تشنج دل کی بیماری

لے سیرۃ الہدی حقاقل صفحہ ۱۸۰ لے سیرۃ الہدی حقاقل صفحہ ۶ لے مرزا صاحب کے حالات مرتبہ
 سراج الدین عمر صاحب تادیان شامل براہین احمدیہ جلد اول صفحہ ۶ لے سیرۃ الہدی حقاقل صفحہ ۱۴

دورہ کے ساتھ آتی ہے اور دوسری چادر جو میرے نیچے کے حصّہ بدن میں ہے، وہ بیماری ذیابیطس ہے کہ ایک مدت سے دامنگیر ہے اور بسا اوقات سو سو دفعہ رات کو یاد دل کو پیشاب آتا ہے اور اس قدر کثرت پیشاب سے جس قدر عوارض ضعف وغیرہ ہوتے ہیں وہ سب میرے شامل حال رہتے ہیں۔“ لہ

مرزا صاحب نے اپنی جوانی میں مجاہدات اور چلہ کشی بھی کی اور مسلسل روزے بھی رکھے۔ انھوں نے ایک طویل چلہ کیا جس میں برابر چھ ماہ تک روزے رکھے یہ انھوں نے ۱۸۸۸ء میں ہوشیار پور میں ایک چلہ کھینچا تاہم آخر میں خرابی صحت اور کمزوری کی وجہ سے ان مجاہدات کا سلسلہ ختم کر دیا تھا۔ ۳۱ مارچ ۱۸۹۱ء کے خط میں حکیم نور الدین صاحب کو لکھتے ہیں۔ ”اب طبیعت سخت شائد مجاہدات نہیں رکھتی اور ادنیٰ درجہ کی محنت اور خومن و توبہ سے جلد بگڑ جاتی ہے کیسے مرجعیت اور فارغ البالی

مرزا صاحب نے اپنی زندگی عسرت و تنگی اور ایک معمولی حیثیت سے شروع کی۔ لیکن جب دعوت و تحریک نے فروغ پایا اور وہ ایک کثیر التعداد اور مرقہ السمال فرقے کے روحانی پیشوا اور مقتدا ہوئے تو ان کو پوری طاغ البالی حاصل ہو گئی اور وہ امیرانہ زندگی گزارنے لگے۔ ان کو خود بھی اس انقلاب اور ابتدائی اور آخری زندگی کے اس تفاوت کا احساس تھا۔ ۱۹۰۸ء میں ایک موقع

لے فیہداریں صفحہ ۳، ۴، ۵ باختصار لے سیرۃ الہدی حصہ اول صفحہ ۶، ۷ سے ایضاً صفحہ ۷
لے مکتوبات احمدیہ جلد پنجم صفحہ ۱۰۳

پر اپنی ابتدائی حالت اور موجودہ حالت کا مقابلہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ہماری معاش اور آرام کا تمام مدار ہمارے والد صاحب کی محنت ایک مختصر آمدنی پر منحصر تھا۔ اور بیرونی لوگوں میں ایک شخص بھی نہیں جانتا تھا اور میں ایک گناہ انسان تھا جو قادیان جیسے دیوان گاہوں میں زاویہ گناہی میں پڑا ہوا تھا پھر بعد اس کے خدا نے اپنی پیش گوئی کے موافق ایک دنیا کو میری طرف رجوع دے دیا اور ایسی متواتر فتوحات سے ہماری مدد کی کہ جس کا شکریہ بیان کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں۔ مجھے اپنی حالت پر خیال کر کے اس قدر بھی امید نہیں تھی کہ دس روپیہ ماہوار بھی آئیں گے۔ مگر خدائے تعالیٰ جو غریبوں کو خاک میں سے اٹھاتا اور شکستروں کو خاک میں ملاتا ہے اس نے ایسی میری دستگیری کی کہ میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ اب تک تین لاکھ کے قریب روپیہ آچکا ہے اور شاید اس سے زیادہ ہو۔ لے

اس کے نیچے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

”اگرچہ مئی آرڈروں کے ذریعہ ہزار ہا روپے آچکے ہیں مگر اس سے زیادہ وہ ہیں جو خود مخلص لوگوں نے آکر دیئے اور جو خطوط کے اندر نوٹ آتے اور بعض مخلصوں نے نوٹ یا سونا اس طرح بھیجا جو اپنا نام سبھی ظاہر نہیں کیا۔ اور مجھے اب تک معلوم نہیں کہ انکے نام کیا کیا ہیں یہ

نکاح اور اولاد

مرزا صاحب نے ۱۸۵۲ء یا ۱۸۵۳ء میں پہلا نکاح اپنے خاندان میں کیا۔

ان بی بی سے دو صاحبزادے مرزا سلطان احمد، مرزا فضل احمد ہوئے۔ ان بی بی کو ۱۸۹۱ء میں انھوں نے طلاق دے دی تھی۔ ان کی دوسری شادی ۱۸۸۴ء میں دہلی میں نواب ناصر کی صاحبزادی سے ہوئی تھی مرزا صاحب کی بقیہ اولاد انھیں کے بطن سے ہے۔ ان سے تین صاحبزادے ہیں۔ مرزا بشیر الدین محمود، مرزا بشیر احمد، مصنف سیرۃ المہدی، مرزا شریف احمد۔

وفات

مرزا غلام احمد صاحب نے جب ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تھے پھر ۱۹۱۷ء میں نبوت کا دعویٰ کیا تھے تو علمائے اسلام نے ان کی تردید و مخالفت شروع کی تردید و مخالفت کرنے والوں میں مشہور عالم مولانا شارناٹ صاحب امرتسریؒ، تریہل حدیث، پیش پیش اور نمایاں تھے۔ مرزا صاحب نے ۵ اپریل ۱۹۱۷ء کو ایک اشتہار جاری کیا جس میں مولانا کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

”اگر میں ایسا ہی کذاب و مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آئندہ ذلت و حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر

۱۔ سیرۃ المہدی حصہ دوم صفحہ ۱۵۰ ۲۔ سیرۃ المہدی حصہ دوم صفحہ ۱۵۱ ۳۔ تفصیل کے ملاحظہ ہو باب ثانی فصل دوم ۴۔ ملاحظہ ہو باب ثانی فصل سوم۔

ہوتا ہے تا خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے ،

اور اگر میں کذاب و مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ
مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں تو میں خدا کے
فضل سے امید رکھتا ہوں کہ سنت اللہ کے موافق آپ
مکذبین کی سزا سے نہیں بچیں گے۔ پس اگر وہ سزا جو انسان
کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ خدا کے ہاتھوں سے ہے یعنی طاعون
ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی میں وارد
نہ ہوں لے تو میں خدا کی طرف سے نہیں لے ”

اس اشتہار کے ایک سال بعد ۲۵ مئی ۱۹۰۸ء کو مرزا صاحب بمقام
لاہور بعد عشر اسہال میں مبتلا ہوئے۔ اسہال کے ساتھ استفراغ بھی تھا۔ رات
ہی کو علاج کی تدبیر کی گئی لیکن ضعف بڑھتا گیا اور حالت دگرگوں ہو گئی۔ بالآخر
۲۶ مئی سے شنبہ کو دن چپڑھے آپ نے انتقال کیا۔ مرزا صاحب کے خسر میر
ناصر نواب صاحب کا بیان ہے :

” حضرت مرزا صاحب جس رات کو بیمار ہوئے۔ اس رات کو
میں اپنے مقام پر جا کر سو چکا تھا۔ جب آپ کو بہت تکلیف
ہوتی تو مجھے جگایا گیا تھا۔ میں جب حضرت صاحب کے پاس
پہنچا تو آپ نے مجھے خطاب کر کے فرمایا — میر صاحب !

یہ مولانا مے مرزا صاحب کی وفات کے پورے چالیس برس بعد ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء میں اسی برس
کی عمر میں وفات پائی ۷۷ تبلیغ رسالت جلد دہم صفحہ ۱۲۰ ÷

مجھے وہائی ہیئت ہو گیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے کوئی ایسی صاف
 بات میرے خیال میں نہیں فرمائی۔ یہاں تک کہ دوسرے دن وہی
 بچے کے بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔ اے
 نفسِ قادیان بے جانی گئی۔ ۷۲ مئی کو تدفینِ عمل میں آئی۔ حکیم
 نور الدین صاحبِ بھیروی خلیفہ اور جانشین مقرر ہوئے۔

اے حیاتِ نامررتہ شیخِ یعقوب علی صاحبِ عرفانی۔

فصل سوم

حکیم نور الدین صاحب بھروی

مذہب و تحریکِ قادریانیت کی تاریخ میں اہمیت و مرکزیت کے لحاظ سے مرزا صاحب کے بعد حکیم نور الدین صاحب بھروی ہی کا درجہ ہے۔ بعض اہل نظر کا خیال ہے کہ حکیم صاحب اس پورے سلسلے میں دماغ کا درجہ رکھتے ہیں اور اس تحریک و نظام کا علمی و فکری حشر و شمسہ اُن کی ذات ہے۔

نشو و نما اور تعلیم

حکیم نور الدین صاحب ۱۲۵۸ھ (۱۸۴۱ء) میں بھیرہ ضلع سرگودھا (سابق شاہ پور پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ اس حساب سے ۱۸۵۷ء میں وہ سولہ برس کے جوان تھے اور مرزا صاحب سے ایک ہی دو سال چھوٹے تھے۔ ان کے والد حافظ غلام رسول صاحب بھیرہ کی ایک مسجد کے امام تھے۔ ان کی سوانح میں بتایا گیا ہے کہ وہ نسباً فاروقی ہیں۔

ان کی ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں ہوئی۔ اپنی والدہ صاحبہ سے پنجابی زبان میں

یہ حکیم صاحب کے حالات مراقۃ السیقین فی حیاۃ نور الدین مصنف اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی سے ماخوذ ہیں۔ یہ حالات حکیم صاحب کے خود سنائے ہوئے ہیں۔ اکبر شاہ خان صاحب (صاحب تصنیفات کثیرہ) نے جو اس وقت حکیم صاحب کے پیر و ادران کے شاگرد رشید تھے قلمبند کرے گئے تھے۔

فقہ کی کتابیں پڑھیں، پھر بچپن میں لاہور گئے۔ وہاں منشی محمد قاسم کشمیری سے فارسی اور مرزا امام دیردی سے کچھ خوش خطی سیکھی۔ مگر ان دونوں چیزوں سے انھیں کچھ دل چسپی نہیں ہوئی۔ یہ دونوں استاد شیعہ تھے ۱۲۸۵ھ میں وہ وطن واپس آئے اور انھوں نے کچھ عرصہ تک میاں حاجی شرف الدین سے کچھ پڑھا۔ اسی زمانہ میں باضابطہ عربی کی تعلیم شروع ہوئی۔ حضرت سید احمد صاحب کے مجاہدین سے تعلق رکھنے والے ایک تاجر کتب کے اثر و صحبت سے ان کو ترجمہ قرآن کا شوق ہوا اور انھوں نے تقویۃ الایمان اور مشارق الانوار شوق سے پڑھیں۔ کچھ عرصہ کے بعد لاہور آکر کسی قدر علم طب کی تحصیل کی۔ ابھی ابتدائی تعلیم ہی تھی کہ ۱۲۸۵ھ میں انھوں نے راولپنڈی کے نارمل اسکول میں ملازمت کر لی جو دو فارسی پڑھاتے تھے اور ایک ماسٹر سے حساب و جغرافیہ پڑھتے تھے۔ ایک تحصیل امتحان میں کامیابی حاصل کر کے وہ پنڈ داد قان میں ہیڈ ماسٹر ہو گئے اور عربی کی تعلیم دوبارہ شروع کی۔ چار برس کے بعد ملازمت سے تعلق جاتا رہا اور وہ پورے طور پر اپنی تعلیم کی تکمیل کی طرف متوجہ ہوئے۔ کچھ عرصہ مولوی احمد الدین صاحب سے (جو بگے والے قاضی صاحب کے نام سے مشہور تھے) پڑھا۔ پھر شوقِ علم میں ہندوستان کا سفر کیا اور رام پور میں تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ وہاں مشکوٰۃ مولانا حسن شاہ صاحب سے، شرح وقایہ مولوی عزیز اللہ صاحب افغانی سے، اصول الشاشی و میزبی مولانا ارشاد حسین صاحب سے، دیوانِ شبنمی مولوی سعد اللہ صاحب سے، صدر وغیرہ مولوی عبدالعلی صاحب سے پڑھیں۔ منطق کی انتہیہ کتابیں میرزا ہدیر سالہ و میرزا ہد ملا جلال بھی بے دلی اور بے رغبتی سے پڑھیں۔ اس

زمانہ میں حکیم صاحب کو مولانا اسماعیل شہید کی حمایت کا بڑا جوش تھا اور کبھی کبھی وہ اپنے اساتذہ سے بڑی بے باکی اور دلیری سے گفتگو کرتے تھے۔ رام پور سے حکیم صاحب لکھنؤ آئے اور وہاں کے ایک نامی طبیب حکیم علی حسین صاحب سے طب کی تعلیم شروع کی۔ حکیم صاحب نے جب نواب کلب علی خان مرحوم کی طبلی پر رامپور کا قصد کیا تو وہ کبھی ساتھ گئے۔ رام پور کے دوران قیام میں انھوں نے مفتی سعد اللہ صاحب سے مزید ادب کی تعلیم حاصل کی حکیم نور الدین صاحب حکیم علی حسین صاحب لکھنؤ کی صحبت و خدمت میں مجموعی طور پر دو برس رہے رامپور سے عربی کی تکمیل اور درس حدیث کے شوق میں وہ بھوپال آئے جو اس وقت رئیس بھوپال کی قدردانی اور نامی گرامی علماء کے اجتماع کی وجہ سے ایک بڑا علمی مرکز بن گیا تھا۔ وہاں منشی جمال الدین خان صاحب مدارالمہام نے ان کی سرپرستی کی اور اپنے پاس ٹھہرایا۔ بھوپال میں انھوں نے مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب (فرزند مولانا عبدالحی صاحب بدھانوی خلیفہ حضرت سید احمد شہیدؒ) سے بخاری اور ہدایہ کا درس لیا۔ بھوپال سے انھوں نے تکمیل علم اور حصول سعادت کی نیت سے حرمین شریفین کا قصد کیا۔ حکیم صاحب نے مکہ معظمہ میں شیخ محمد خزرجی سے ابو داؤد، سید حسین

لے یہاں پر یہ لطیف قابل تہنید جو حکیم صاحب نے اپنے حالات بیان کرتے ہوئے خود سنایا کہ انھوں نے مفتی عبدالقیوم صاحب سے چلتے وقت عرض کیا کہ مجھے وصیت کیجئے مفتی صاحب نے فرمایا: "خدا نہ بنا اور رسول نہ بنا" مفتی صاحب نے اس کی تشریح کی کہ خدا نہ بنے سے مراد یہ ہے کہ اگر تمھاری کوئی خواہش پوری نہ ہو تو گمبہ خاطر نہ ہونا اسلئے کہ خالی ملازمین خدا ہی کی صفت ہیں اور اگر کوئی تمھارا فتویٰ نہ مانے تو اس کو جہنم نہ سمجھنا اس لئے کہ یہ رسول ہی کی صفت ہے کہ اس کی نافرمانی سے لوگ جہنم میں جائیں گے (مرقاة الیقین صفحہ ۷۹)

سے صحیح مسلم اور مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی (صاحب انظار الحق) سے مسلم الثبوت پر حاضر شروع کیا۔ بعض مرتبہ اساتذہ سے مباحثہ ہوتا تھا اور ان کا عقیدہ تقلید کا رجحان اور اپنی رائے اور فہم پر اعتماد و اصرار کا اظہار ہوتا تھا۔ لہ

حکیم صاحب نے ابو داؤد، ابن ماجہ، شیخ محمد خزر جی سے غم کیں۔ اسی دوران میں حضرت شاہ عبدالغنی مجددی مکہ معظمہ تشریف لائے۔ شاہ صاحب جب مدینہ منورہ واپس گئے تو حکیم صاحب بھی مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور شاہ صاحب کے ہاتھ پر بیعت سلوک کی اور چھ مہینے ان کی خدمت میں ٹھہر کر استفادہ کیا۔ قیام وطن اور ملازمت

حکیم صاحب حج و زیارت سے فارغ ہو کر اپنے وطن بھیرہ واپس آئے اور یہاں کچھ عرصہ قیام کیا۔ اس دوران میں عمل بالحدیث اور رسوم مروجہ کے سلسلے میں ان کے اور اہل شہر کے درمیان بحث و مباحثہ اور رد و کد ہوئی اور اس کے نتیجہ میں شہر میں ایک عام برہمی اور شورش پیدا ہوئی۔ حکیم صاحب کی طبیعت میں لوگوں کی جہالت اور جمود و تعصب اور اپنے علمی تفوق اور تجرک کا احساس پیدا ہوا۔ اسی دوران وہ دہلی بھی گئے جہاں لارڈ لٹن کا دربار ہو رہا تھا۔ وہاں منشی جمال الدین خان صاحب مدارالمہام بھوپال سے دوبارہ ملاقات ہوئی اور وہ اپنے ساتھ اُن کو بھوپال لے آئے۔ کچھ عرصہ وہ وہاں قیام کر کے وطن واپس آئے اور بھیرہ میں مطب شروع کر دیا۔ ان کی حذاقت اور کمال فن کا شہرہ سن کر مہاراجہ جموں نے ان کو اپنا طبیب خاص مقرر کر لیا اور انھوں نے ایک عرصہ تک جموں، پونچھ اور کشمیر کے والیاں ریاست کی خدمت کی۔ حکیم صاحب نے

لے ملاحظہ ہو مقالہ الیقین صفحہ ۴۵

اپنی طبیعتی جہارت، طلاقت لسانی اور علم و ذکاوت سے ریاست میں بڑا اثر و سرخ پیدا کر لیا تھا اور وہ ریاست کے امور اور جہاں راجہ کے مزاج میں خاصے دخیل ہو گئے تھے۔

www.KitaboSunnat.com

مرزا صاحب سے تعارف و تعلق

جموں کے زمانہ قیام ہی میں حکیم صاحب کا مرزا صاحب سے تعارف ہوا جو سلسلہ ملازمت سیالکوٹ میں مقیم تھے۔ غالباً بھیرہ آتے جاتے وہ سیالکوٹ سے گزرتے تھے اور ہم مذاقی اور طبعی مناسبت کی وجہ سے وہ مرزا صاحب سے ملتے ہوئے جاتے تھے یہ تعارف و ملاقات بہت جلد دوستی میں تبدیل ہو گئی۔ اور دونوں ایک دوسرے کے ہمدرد و ہمراز بن گئے۔ یہ جب مرزا صاحب نے براہین احمدیہ تصنیف کی تو حکیم صاحب نے تصدیق براہین احمدیہ کے نام سے ایک کتاب شائع کی حکیم صاحب کی مرزا صاحب سے عقیدت و شفیقگی بڑھتی ہی چلی گئی۔ وہ مرزا صاحب سے بیعت بھی ہو گئے تھے اور انھوں نے اُن کو اپنا پیر و مرشد اور امام اور مقتدا مان لیا تھا۔ حکیم صاحب کے مندرجہ ذیل خط سے اُن کے اس گہرے تعلق اور عقیدت کا پتہ چلتا ہے۔

”مولانا، مرشدنا، امامنا، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“

عالیجناب، میری دعا یہ ہے کہ ہر وقت حضور کی جناب میں

حاضر رہوں اور امام زماں سے جس مطلب کے واسطے وہ مجھ کو کیا

گیا ہے وہ مطالب حاصل کروں۔ اگر اجازت ہو تو میں نوکری سے

لے دو لوں کو مذاہب غیر کے مطالعہ اور آریہ سماج و عیسائیوں کی تردید و مناظرہ کا شوق تھا۔
مے ملاحظہ ہو مکتوبات احمدیہ جلد پنجم خطوط بنام حکیم صاحب۔

استغفار دے دوں اور دن رات خدمتِ عالی میں پڑا ہوں یا
 اگر حکم ہو تو اس تعلق کو چھوڑ کر دُنیا میں پھروں اور لوگوں کو دین
 حق کی طرف بلاؤں اور اسی راہ میں جان دوں۔ میں آپ کی راہ
 میں قربان ہوں، میرا جو کچھ ہے میرا نہیں ہے، آپ کا ہے۔
 حضرت پیر و مرشد! میں کمالِ راستی سے عرض کرتا ہوں کہ میرا
 سارا مال و دولت اگر دینی اشاعت میں قربان ہو جائے تو میں
 مراد کو پہنچ گیا۔ اگر حشر دیدارِ براہین کے توقیفِ طبعِ کتب سے
 مضطرب ہوں تو مجھے اجازت فرمائیے کہ یہ ادنیٰ خدمتِ سبجالاؤں
 کہ ان کی تمام قیمت ادا کر دہ اپنے پاس سے واپس کر دوں جنسِ
 پیر و مرشد! نابکار شرمسار عرض کرتا ہے اگر منظور ہو تو میسری
 سعادت ہے۔ میرا منشا ہے کہ براہین کے طبع کا تمام خرچ مجھ
 پر ڈال دیا جائے۔ پھر جو کچھ قیمت میں وصول ہو وہ روپیہ آپ
 کی ضروریات میں خرچ ہو۔ مجھے آپ سے نسبت فاروقی ہے
 اور سب کچھ اس راہ میں فدا کرنے کے لئے تیار ہوں دعا فرمائی
 کہ میری موت صدیقیوں کی موت ہو لے“

حکیم صاحب مرزا صاحب کے بارے میں ایسے راسخ الاعتقاد تھے کہ
 جب مرزا صاحب نے ”فتح اسلام“ اور ”توضیح مرام“ تصنیف کیں اور حکیم صاحب
 کو ابھی دیکھنے کی نوبت نہیں آئی تھی، ایک شخص نے حکیم صاحب سے کہا کہ کیا نبی
 کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی نبی ہو سکتا ہے؟ حکیم صاحب نے کہا، نہیں!

لے مرثاة الیقین فی حیاة نور الدین صفحہ ۱۸۱۱

اس نے کہا اگر کوئی نبوت کا دعویٰ کرے تو پھر؟ حکیم صاحب نے کہا تو پھر ہم یہ دیکھیں گے کہ وہ صادق و راست باز ہے یا نہیں۔ اگر صادق ہے تو بہر حال اس کی بات کو قبول کریں گے۔ حکیم صاحب نے یہ روایت خود ہی سنائی اور یہ قصہ سنا کر فرمایا: کہ یہ تو صرف نبوت کی بات ہے میرا تو ایمان یہ ہے کہ اگر حضرت مسیح موعود صاحب شریعت ہونے کا دعویٰ کریں اور قرآنی شریعت کو منسوخ قرار دیں تو بھی مجھے انکار نہ ہو۔ کیونکہ جب ہم نے واقعی آپ کو صادق اور من جانب اللہ پایا ہے تو اب جو بھی آپ فرمائیں گے وہی حق ہوگا۔ اور ہم سمجھ لیں گے کہ آیت خاتم النبیین کے کوئی اور معنی ہوں گے۔“ لے

حکیم صاحب نے قبول کے تعلق ہی کے زمانہ میں مرزا صاحب کی ہدایت و تلقین سے عیسائیت کی تردید میں ”فصل الخطاب“ کے نام سے ایک کتاب چار جلدوں میں لکھی۔ وہ مرزا صاحب کی تصانیف کی طباعت و اشاعت کے مصارف میں بڑی عالی حوصلگی اور دیادلی سے حصہ لیتے رہے۔ اور مرزا صاحب نے بارہا ان سے بیشی قرار رقیں قرض لیں۔ اور ان کی میتِ اسلامی نصرت دینی اور بلند ہمتی کا اعتراف کیا۔ مرزا صاحب کا ان کے بارے میں شہوڑ شعر ہے

چہ خوش بودے اگر ہر یک ز امت نور دیں بودے
ہیں بودے اگر ہر دل پُر از نورِ یعتیں بودے

قیامِ قادیان و خلافت

بعض اسباب اور کار پر دازان ریاست کے جوڑ توڑ سے ہمارا جبہ کی طبیعت

لے سیرۃ الہدیٰ صفحہ ۶۸، ۶۹ لے کتبوات احمد، جلد پنجم، خطوط بنام حکیم صاحب سے مرقۃ البقیین

حکیم صاحب سے کبیدہ اور کشیدہ ہو گئی اور ۱۸۹۳ء یا ۱۸۹۴ء میں یطریق ملازمت ختم ہو گیا اور حکیم صاحب اپنے وطن بھیرہ چلے گئے۔ جہاں کچھ عرصہ قیام اور مطب کرنے کے بعد وہ مستقل طور پر قادیان منتقل ہو گئے اور انھوں نے اپنی زندگی مرزا صاحب کی حمایت اور تحریک کی دعوت و اشاعت کے لئے وقف کر دی۔ مرزا صاحب کی وفات (۲۶ مئی ۱۹۰۸ء) پر وہ مرزا صاحب کے خلیفہ اول قرار پائے۔ لوگوں نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی خلیفہ المسیح الموعود اور نور الدین اعظم ان کا خطاب ہوا۔ حکیم صاحب کو ایک عرصہ تک ان لوگوں کی تکفیر میں تردد تھا جو مرزا صاحب کی نبوت پر ایمان نہیں لائے تھے، لیکن پھر وہ ان کی تکفیر کے قائل ہو گئے۔ اے حکیم صاحب کی خلافت کے بارے میں کچھ تنازعہ بھی پیش آیا اور کچھ لوگوں نے ان کی خلافت پر سخت اعتراضات کئے۔ ایک ایسے ہی موقع پر انھوں نے ارشاد فرمایا :-

” میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے خدا ہی نے خلیفہ بنایا سوا ب کس میں طاقت ہے کہ وہ اس خلافت کی رد کو مجھ سے چھین لے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت نے چاہا اور اپنے مصالح سے چاہا۔ مجھے تمہارا امام و خلیفہ بنا دیا۔ ہزار سال انقیاء مجھ پر تھو لو، مجھ پر نہیں خدا پر لگیں گی جس نے مجھے خلیفہ بنایا۔“

ایک دوسرے موقع پر فرمایا :-

” مجھے خدا نے خلیفہ بنا دیا ہے اور اب نہ تمہارے کہنے سے

اے ملاحظہ ہو ”کلمۃ الفصل“ تعنیف مرزا بشیر احمد صاحب باب ششم ۱۷۷ رسالہ ریویو آف ریلیجنس قادیان صفحہ ۲۳۴ جلد ۱۴ (ماخوذ از قادیانی مذہب)

معزول ہو سکتا ہوں اور نہ کسی میں طاقت ہے کہ وہ معزول کرے
اگر تم زیادہ زور دو گے تو یاد رکھو میرے پاس ایسے خالد بن ولید
ہیں جو تمہیں مرتدوں کی طرح سزا دیں گے“ لے

وفات

حکیم صاحب چھ سال تک منصب خلافت پر فائز رہے۔ وہ گھوڑے
سے گر کر زخمی ہوئے اور صاحب فراش ہو گئے اور اسی صدمہ سے ۱۳ مارچ ۱۹۱۴ء
کو انتقال کیا۔ انتقال سے چند روز پہلے ان کی زبان بند ہو گئی تھی یہ انہوں
نے مرزا بشیر الدین محمود فرزند اکبر مرزا غلام احمد صاحب کو اپنا جانشین و خلیفہ
منتخب کیا۔

حکیم صاحب کی شخصیت اور ذہن و مزاج

حکیم صاحب کی داستان زندگی پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بچپن
طبیعت پالی تھی۔ وہ اپنی زندگی کے بڑے حصے میں ذہنی کشمکش میں مبتلا ہے
ان میں شروع سے عقل پرستی کا رجحان پایا جاتا تھا۔ پہلے وہ مذاہب اربعہ
کی تقلید کی بندش سے آزاد ہوئے اور اس میں اُن کو خاصا غلو رہا۔ پھر وہ
سر سید احمد خان مرحوم کے لٹریچر سے متاثر ہوئے اور اُن کے ذہن نے اُن کی
تعلیمات اور اُن کے طرز فکر کو پورے طور پر جذب کر لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ
ہندوستان میں سائنس اور طبیعیات کی ابتدائی معلومات اور اس کی نئی حقیقات
نئی نئی آتی تھیں اور ہندوستانی مسلمانوں کا عقیدت پسند طبقہ اُن سے بڑا متاثر

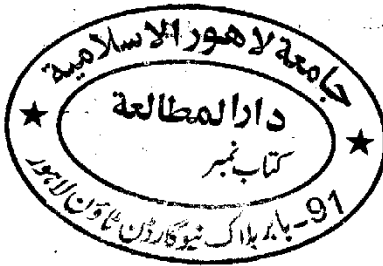
۱۔ رسالہ تشبیہ الاذیان قادیان جلد ۹، علامہ (ماخوذ از قادیانی مذہب) ۲۵ الفضل ۲۳ فروری ۱۹۳۲ء
(ماخوذ از قادیانی مذہب)

ہو رہا تھا۔ جو لوگ دینی رُحان رکھتے تھے وہ دینی حقائق اور قرآن کے بیان و تعلیمات کو ان طبعیاتی معلومات و تحقیقات کے ساتھ منطبق کرتے اور اگر آسانی سے منطبق نہ ہو سکتیں تو قرآن مجید کی آیات اور الفاظ کی بڑی سے بڑی تاویل اور توجیہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ حکیم صاحب کا درس تفسیر اس طرز فکر اور اس ذہنی رُحان کا ایک نمونہ تھا۔

مرزا بشیر احمد سیرۃ المہدی میں لکھتے ہیں: "حضرت نور الدین صاحب خلیفہ اول بھی سرسید کے خیالات اور طریق سے بہت متاثر تھے..... مگر حضرت صاحب کی صحبت سے یہ اثر آہستہ آہستہ دھلتا گیا۔ لیکن حکیم صاحب کے خیالات کے مطالعہ اور ان کے تلامذہ کی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ خواہ سرسید کے اثر سے، خواہ افتاد طبع سے وہ آخر تک اس طرز پر قائم رہے اور ان کا ذہن اس سانچے میں پورے طور پر ڈھل چکا تھا اور یہ ان کا مزاج بن چکا تھا۔ حکیم صاحب کی شخصیت اور زندگی کا نفسیاتی طریقہ پر مطالعہ کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ روشن خیالی اور عقلیت پسندی کے ساتھ ساتھ ان کے اندر خوش اعتقادی اور دینی گرویدگی کا اچھا خاصہ مادہ پایا جاتا تھا۔ وہ عقلیت اور عدم تقلید کے ساتھ ساتھ "الہامات" اور خوابوں سے بڑے متاثر ہوتے تھے اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ روشن خیالی اور حریت فکر بلکہ ذہنی بغاوت کے ساتھ ساتھ ایک ہی شخص کی شخصیت میں خوش عقیدگی اور انفعال کا بھی پورا پورا مادہ ہوتا ہے۔ وہ بعض اداروں، نظاموں اور شخصیتوں کے خلاف بڑے جوش و خروش

اے اس کا نمونہ ان کے حلقہ درس کے نامور تربیت یافتہ مولوی محمد علی لاہوری کی تفسیر بیان القرآن اردو انگریزی میں دیکھا جاسکتا ہے۔ سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۱۵۹

کے ساتھ علم لغات بلند کرتا ہے اور آخر دم تک ان سے بے سرحجب رہتا ہے لیکن کسی شخصیت و دعوت کے سامنے وہ بالکل سراسر انگڑی و سپر انداختہ نظر آتا ہے اور اپنے قوائے فکر کو بالکل معطل کر دیتا ہے۔ انسان کی زندگی عمل و رد عمل کا ایک عجیب مجموعہ اور اس کی شخصیت مختلف عناصر کا ایک ایسا مرکب نظر آتی ہے کہ انسان ایک منفرد شخصیت نہیں بلکہ مختلف شخصیتوں کا ایک مجموعہ ثابت ہوتا ہے۔ دنیا کی کسی چیز کا سمجھنا انسان کی شخصیت اور اس کے مقاصد و محرکات کے سمجھنے سے زیادہ مشکل نہیں۔



باب دوم

مرزا غلام احمد صاحب کے عقیدہ اور دعوت کا تدریجی ارتقاء
اور دعاوی کی ترتیب

فصل اول

مرزا صاحب مصنف و مبلغ اسلام کی حیثیت کے

تصنیف و مناظرہ کے میدان میں

مرزا غلام احمد صاحب کے متعلق اس وقت تک ہماری معلومات یہ تھیں کہ وہ ضلع گورداسپور کے ایک قصبہ میں مذہبی کتابوں کے مطالعہ میں منہمک ہیں۔ ان کی جو تصنیفات ۱۸۸۰ء کے بعد شائع ہوئی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے مطالعہ کا موضوع زیادہ تر کتب مذاہب اور خاص طور پر مسیحیت سائن و صرم اور آریہ سماج کی کتابیں ہیں۔

یہ دور مذہبی مناظروں کا دور تھا اور اہل علم کے طبقہ میں سب سے بڑا ذوق، مقابلہ مذاہب اور مناظرہ فِرَق کا پایا جاتا تھا۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ عیسائی پادری مذہب مسیحیت کی تبلیغ و دعوت اور دین اسلام کی تردید میں سرگرم تھے۔ حکومت وقت جس کا سرکاری مذہب مسیحیت تھا ان کی پشت پناہ اور سرپرست تھی۔ وہ ہندوستان کو یسوع مسیح کا عطیہ اور انعام سمجھتی تھی۔ دوسری طرف آریہ سماجی مبلغ جو شش و خروش سے اسلام کی تردید کر رہے تھے۔ انگریزوں کی مصلحت (جو ۱۸۵۷ء کی متحدہ کوشش اور ہندوستان

کے اتحاد کی چوٹ کھا چکے تھے) یہ تھی کہ ان مناظرانہ سرگرمیوں کی ہمت انسانی کی جائے اس لئے کہ ان کے نتیجے میں ملک میں ایک کشمکش اور ذہنی و اخلاقی انتشار پیدا ہوتا تھا اور تمام مذاہب اور فرقوں کو ایک ایسی طاقتور حکومت کا وجود غنیمت معلوم ہوتا تھا جو ان سب کی حفاظت کرے اور جس کے سایہ میں یہ سب امن و امان کے ساتھ مناظرہ و مباحثہ کرتے رہیں۔ ایسے ماحول میں جو شخص اسلام کی مخالفت اور مذاہب غیر کی تردید کا علم بلند کرتا وہ مسلمانوں کا مرکز توجہ و عقیدت بن جاتا۔

مرزا صاحب کی حوصلہ مند طبیعت اور دُور بین نگاہ نے اس میدان کو اپنی سرگرمیوں کے لئے انتخاب کیا۔ انھوں نے ایک بہت بڑی مخیم کتاب کی تصنیف کا بیڑہ اٹھایا۔ جس میں اسلام کی صداقت، قرآن کے اعجاز اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو بدلائل عقلی ثابت کیا جائے گا اور بیک وقت مسیحیت، سناٹن دھرم، آریہ سماج اور برہمن سماج کی تردید ہوگی۔ انھوں نے اس کتاب کا نام براہین احمدیہ تجویز کیا۔

”براہین احمدیہ اور مرزا صاحب کا چیلنج

براہین احمدیہ کی تصنیف ۱۸۹۱ء سے شروع ہوتی ہے۔ مصنف نے ذمہ داری لی کہ وہ اس کتاب میں صداقت اسلام کی تین سو دلیلیں پیش کرے گا۔ مرزا صاحب نے ملک کے دوسرے اہل علم اور اہل نظر حضرات اور مصنفین سے بھی کتاب کے موضوع کے سلسلہ میں خط و کتابت کی اور ان سے درخواست کی کہ وہ اپنے خیالات اور مضامین بھیجیں جن سے اس کتاب کی تصنیف میں مدد لی جائے۔

لے سیرۃ المہدی جلد ۲ صفحہ ۱۵۱

جن لوگوں نے اُن کی اس دعوت کو قبول کیا ان میں مولوی چراغ علی صاحب بھی تھے جو سرتیڈ کی بزمِ علمی کے ایک اہم رکن تھے۔ مرزا صاحب نے اُن کے مضامین و تحقیقات کو بھی کتاب میں شامل کیا ہے

بالآخر یہ کتاب جس کا سیکڑوں آدمیوں کو انتظار و اشتیاق تھا۔ چار حصوں میں (بڑے سائز کے پانچ سو باسٹھ صفحات) میں چھپ کر نکلی۔ مصنف نے اس کتاب کے ساتھ ایک اعلان بڑی تعداد میں اُردو اور انگریزی میں شائع کیا اور اس کو سلاطین، وزراء، پادری صاحبان اور پنڈتوں کے پاس بھیجا۔ جس میں انھوں نے پہلی مرتبہ اس کا اظہار کیا کہ وہ اسلام کی صداقت ظاہر کرنے کے لئے خدا کی طرف سے مامور ہیں اور وہ تمام اہل مذاہب کو مطمئن کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اس اشتہار میں صاف صاف کہا گیا ہے :-

”یہ عاجز و مؤلف براہین احمدیہ (حضرت قادیان مطلق جل شانہ کی طرف سے مامور ہوا ہے کہ نبی ناصری اسرائیلی (مسیح) کے طرز پر کمال مسکینی و فروتنی و غربت و تذلل و تواضع سے اصلاحِ خلق کے لئے کوشش کرے اور ان لوگوں کی جو راہِ راست سے بے خبر ہیں صراطِ مستقیم (جس پر چلنے سے حقیقی نجات حاصل ہوتی ہے اور اس عالم میں بہشتی زندگی کے آثار اور قبولیت اور محبوبیت کے انوار دکھائی دیتے ہیں) دکھائے۔ اسی غرض سے

لے لیکن اس کا کہیں کتاب میں حوالہ نہیں۔ ڈاکٹر عبدالحق صاحب نے اپنی کتاب ”چند ہم عصر“ صفحہ ۵۳، ۵۵ میں اور ڈاکٹر سر محمد اقبال نے اپنے ایک مضمون میں اس کا تذکرہ کیا ہے (رحمہم اقبال صفحہ ۱۳۱)۔

۴۰

کتاب براہین احمدیہ تالیف پائی ہے جس کی ۳۷ جزو چھپ کر شائع ہو چکی ہیں اور اس کا خلاصہ مطلب اشتہار ہماری خط ہذا میں درج ہے لیکن چونکہ ساری کتاب کا شائع ہونا ایک طویل مدت پر موقوف ہے، اسی لئے یہ پتہ ترار پایا ہے کہ بالفعل یہ خط مع اشتہار انگریزی شائع کیا جائے اور اس کی ایک کاپی بخدمت معزز پادری صاحبان پنجاب و ہندوستان و انگلستان وغیرہ بلاد جہاں تک ارسال خط ممکن ہو جو اپنی قوم میں خاص طور پر مشہور معزز ہیں برہمہ صاحبان و آریہ صاحبان و نیچری صاحبان و حضرات مولوی صاحبان جو وجود و خوارق و کرامات سے منکر ہیں اور اس وجہ سے اس عاجز سے بدظن ہیں، ارسال کی جاوے۔

انھوں نے چیلنج کیا کہ اس کتاب کی کوئی نظیر پیش کی جائے اور کسی مذہب کے نمائندے اپنے دین کی صداقت کے لئے اسی تعداد میں یا اس سے کم تعداد میں دلائل پیش کریں۔ وہ براہین احمدیہ کے شروع میں لکھتے ہیں :-
 ”میں جو مصنف اس کتاب براہین احمدیہ کا ہوں یہ اشتہار اپنی طرف سے بہ وعدہ دس ہزار روپیہ بمقابلہ جمیع ارباب مذہب اور ملت کے جو حقانیت قرآن مجید و نبوت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے منکر ہیں اتماماً للبحث شائع کر کے

لے مرزا غلام احمد صاحب کے مختلف حالات مرتبہ معراج الدین عمر صاحب قادیانی شامل حصہ اول
 براہین احمدیہ صفحہ ۸۲

اتحاد صحیح قانونی اور عہد جائز شرعی کرتا ہوں گا اگر کوئی صاحبِ مُتکبرین میں سے مشارکت اپنی کتاب کی فرقانِ مجید سے ان سب براہین اور دلائل میں جو ہم نے دربارہ حقیقت فرقانِ مجید اور صدقِ رسالت حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اسی کتاب مقدس سے اخذ کر کے تحریر کی ہیں، اپنی الہامی کتاب میں سے ثابت کر کے دکھلا دیں۔ یا اگر تعداد میں اُن کے برابر پیش نہ کر سکیں تو نصف اُن سے یا ثلث اُن سے یا ربع اُن سے یا جنس اُن سے نکال کر پیش کرے یا اگر یہ کُل پیش کرنے سے عاجز ہو تو ہمارے ہی دلائل کو نمبر وار توڑے تو ان سب صورتوں میں بشرطیکہ تین مُنصف مقبولہ فریقین بالاتفاق یہ رائے ظاہر کر دیں کہ ایفادہ شرط جیسا کہ چاہیے تھا ظہور میں آگیا میں مشتہر ایسے مجیب کو بلا عُذرے و حیلے اپنی جانِ ادا و قیمتی دس ہزار روپیہ پر قبض و دخل دے دوں گا۔“

مرزا صاحب نے مسلمانوں کو اس عظیم خدمت اسلام میں مالی امداد دینے اور سداخ دلی اور عالی حوصلگی سے حصہ لینے کی دعوت دی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اس دعوت پر مسلمانوں نے اس جوش و خروش سے لبیک نہیں کہی جس کی مرزا صاحب توقع کرتے تھے۔ براہین احمدیہ کی جلدوں

۱۔ براہین احمدیہ جلد اول صفحہ ۲۱ تا ۲۲ ملاحظہ ہو۔ براہین احمدیہ اتماس ضروری از مولف کتاب

میں انھوں نے اس کا بڑا شکوہ کیا ہے اور اس پر اپنے بڑے رنج کا اظہار کیا ہے۔

ان اشتہارات میں جو کتاب کا دیباچہ اور مرزا صاحب کی آئندہ زندگی اور عہدائیم کی تمہید تھی ایک مدعیانہ رُوح، نیز لوگوں کو مطمئن کرنے اور حق کو ثابت کرنے کے لئے آسمانی نشانیوں پر اعتماد نظر آتا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ان اشتہارات میں کسی قدر تجارتی اور کاروباری رُوح بھی جھلکتی ہے

تبلیغ و ستیا

مرزا صاحب نے براہین احمدیہ کے تفسیرے اور چوتھے حصہ کے شروع میں "اسلامی انجمنوں کی خدمت میں التماس ضروری اور مسلمانوں کی نازک حالت اور انگریزی گورنمنٹ" کے عنوان سے انگریزی حکومت کی کھل کر مدح و توصیف کی اور اس کے مسلمانوں پر احسانات گنائے ہیں اور اس بات کی پُر زور اپیل کی ہے کہ تمام اسلامی انجمنیں مل کر ایک میموریل تیار کر کے اور اس پر تمام سربراہان اور مسلمانوں سے دستخط کرا کر گورنمنٹ میں بھیجیں۔ اس میں اپنی خاندانی خدمات کا پھر تذکرہ ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ جہاد کی ممانعت کی بھی پُر زور تحریک ہے۔ اس طرح مرزا صاحب کی پہلی تصنیف بھی انگریزی حکومت کی منفعت و ثناء اور مسلمانوں کو سیاسی مشورہ دینے سے خالی نظر نہیں آتی۔

لے ملاحظہ ہو حصہ دوم، عرض ضروری بحالت مجبوری " لے ملاحظہ ہو براہین احمدیہ جلد سوم (ب)

کتاب کا انجام

اس کتاب کی تالیف و اشاعت کا سلسلہ ۱۸۸۶ء سے ۱۸۸۷ء تک جاری رہا۔ چوتھے حصہ پر یہ سلسلہ ترک کیا۔ پانچواں حصہ جو کتاب کا آخری حصہ ہے، آغاز تصنیف کے پورے پچیس سال بعد ۱۸۹۵ء میں شائع ہوا۔ مصنف نے حصہ پنجم میں اس کا اعتراف کیا ہے کہ ۲۳ برس تک اس کتاب کا چھپنا ملتوی رہا۔ اس دوران میں بہت سے لوگ جنہوں نے کتاب کے چار حصے خریدے تھے اور پوری کتاب کی قیمت داخل کر چکے تھے انتقال کر گئے۔ بعض لوگوں نے جو پیشگی قیمت ادا کر چکے تھے اس پر ناگواری و ناراضی کا اظہار بھی کیا جس کے لئے مصنف نے حصہ پنجم کے مقدمہ میں معذرت بھی کی ہے۔ اس میں انہوں نے اس کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ پہلے اس کا خیال تھا کہ وہ اسلام کی صداقت پر تین سو دلیلیں پیش کریں گے لیکن اب انہوں نے اس خیال کو ترک کر دیا ہے اسی طرح سے پہلے پچاس حصوں میں شائع کرنے کا قصد تھا لیکن اب پانچ حصوں پر اکتفا کریں گے۔ اس لئے کہ ان دونوں عددوں میں صرف ایک نقطہ کا فرق ہے۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں:-

”پہلے پچاس حصے لکھنے کا ارادہ تھا مگر پچاس سے پانچ پر اکتفا کیا اور چونکہ پچاس اور پانچ کے عدد میں صرف ایک نقطہ کا فرق ہے اس لئے پانچ حصوں سے وہ وعدہ پورا ہو گیا۔“

نہ سیرۃ المہدی جلد ۲ صفحہ ۱۵۴ سے دیا۔ حصہ پنجم براہین احمدیہ ص ۱۔ سے دیا۔
براہین احمدیہ ۵ ص ۷

مرزا بشیر احمد صاحب نے سیرۃ المہدی میں لکھا ہے :-
 ”اب جب براہین احمدیہ کی چار جلدیں شائع شدہ موجود ہیں
 اُن کا مقدمہ اور حواشی وغیرہ سب دوران اشاعت کے
 زمانہ کے ہیں اور اس میں اصل ابتدائی تصنیف کا حصہ بہت
 ہی تھوڑا آیا ہے۔ یعنی صرف چند صفحات سے زیادہ نہیں اس
 کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ تین سو دلائل جو آپ نے لکھے
 تھے اس میں سے مطبوعہ براہین احمدیہ میں صرف ایک ہی دلیل
 بیان ہوئی ہے اور وہ بھی نامکمل طور پر۔“ ۱

کتاب کے ایک اجمالی نظر

جو شخص براہین احمدیہ کا مطالعہ کرے گا وہ مصنف کی بسیار نویسی،
 دراز نفسی اور صبر و جفا کشی سے ضرور متاثر ہوگا۔ یہ تمام صفات ایسی ہیں
 جو مصنف کو عیسائیوں اور آریہ سماجیوں کے مقابلہ میں زیادہ سے زیادہ ایک
 کامیاب مناظر اور ایک بڑا مصنف ثابت کرتی ہیں۔ لیکن کتاب کے پڑھنے
 والے کو اس ضخیم دفتر میں کوئی نادر علمی تحقیق اور مسیحیت کے ناخدا اور اس
 کی قدیم کتابوں اور اس کے اسرار و حقائق سے اس طرح کی واقفیت نہیں نظر
 آتی جو مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی (م ۱۳۰۹ھ) مصنف ”اظہار الحق“ و
 ”ازانہ الاولیاء“ وغیرہ کی تصنیفات میں نظر آتی ہے نہ وہ شیریں گفتاری اور
 ندرت استدلال نظر آتی ہے جو مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی (م ۱۲۹۶ھ)

مصنف "تقریر دل پذیر" و "حجۃ الاسلام" وغیرہ کی خصوصیت ہے۔

الہامات و دعاوی

پڑھنے والے کو اس کتاب میں اس کثرت سے الہامات اور خوارق کشف، مکالمات خداوندی، پیش گوئیاں اور طویل و عریض دعویٰ ملتے ہیں جن سے اس کی طبیعت بد مزہ و مُنغص ہو جاتی ہے اور کتاب ایک پاکیزہ علمی بحث اور ایک مہذب دینی مباحثہ کے بجائے ایک مدعیانہ تصنیف بن جاتی ہے جس میں مصنف نے اپنی شخصیت کا صاف صاف اشتہار دیا ہے اور جگہ جگہ اس کا ڈھنڈورا پیٹا ہے۔

کتاب کا مرکزی مضمون اور جوہر یہ ہے کہ الہام کا سلسلہ نہ منقطع ہوا ہے نہ اس کو منقطع ہونا چاہیے۔ یہی الہام دعویٰ کی صحت اور مذہب و عقیدے کی صداقت کی سب سے زیادہ طاقتور دلیل ہے۔ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کامل کرے گا اس کو علم ظاہر اور علم باطن سحر فرازا کیا جائے گا، جو انبیاء علیہم السلام کو احساناً عطا ہوا تھا اور اس کو علم یقینی اور علم قطعی حاصل ہوگا۔ اس کا علم لدنی انبیاء کے علم سے مشابہ ہوگا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو حدیث میں امثل کے لفظ سے اور تفسیر میں صدیق کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے۔ ان کے ظہور کا زمانہ انبیاء کی بعثت کے زمانہ سے مشابہ ہوگا اور انھیں سے اسلام کی حجت قائم ہوگی اور ان کا الہام یقینی و قطعی الہام ہوگا۔ اس الہام کے بقار و تسلسل کے ثبوت میں انھوں نے بطور نمونہ اپنے

لے براہین احمدیہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۲ و صفحہ ۲۴۴ باختصار

طویل الہامات کا ایک سلسلہ نقل کیا ہے وہ براہین احمدیہ میں لکھتے ہیں :-

” اس الہام کی مثالیں ہمارے پاس بہت ہیں مگر جو ابھی

اس حاشیہ کے تحریر کے وقت یعنی مارچ ۱۹۸۲ء میں ہوا

ہے جس میں یہ امر غیبی بطور پیش گوئی ظاہر کیا گیا ہے کہ اس

اشتہار کی کتاب کے ذریعہ سے اور اس کے مضامین پر مطلع

ہونے سے انجام کار مخالفین کو شکست فاش آئے گی اور حق کے

طالبوں کو ہدایت ملے گی اور بد عقیدگی دور ہوگی اور لوگ

خدائے تعالیٰ کے القا اور رجوع دلانے سے مدد کریں گے اور

متوجہ ہوں گے اور آئیں گے وغیرہ من الامور۔ لہ ”

اس کے بعد مرزا صاحب نے وہ طویل تازہ الہام نقل کیا جو تقریباً

تمام تر شہر آن مجید کی مختلف آیتوں کے غیر مربوط ٹکڑوں کا مجموعہ ہے۔

یہ الہام براہین کی تقریباً چالیس سطروں میں آیا ہے اور ان چالیس سطروں

میں تقریباً ۵۳، ۵۴ آیتوں کے ٹکڑے ہیں۔ سچ سچ میں چند حدیثیں بھی

ہیں۔ ان دونوں کے علاوہ جو مرزا صاحب کے جملے ہیں وہ ہندوستانی عربی

کا ایک نمونہ ہیں۔ نمونہ کے طور پر اس کی آخری سطر جس میں نسبتاً آیات

کم ہیں، درج کی جاتی ہیں :-

” کُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِدٌ مُسَبِّحٌ

وَكُنْ مِنَ الصَّالِحِينَ الصِّدِّيقِينَ وَأَمْرٌ بِالمَعْرُوفِ

وَأَنَّهُ عَنِ الْمُنْكَرِ وَصَلَّى عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ الصَّلَاةَ

بہ براہین احمدیہ جلد ۳ صفحہ ۲۳۸

هوالمربي اتى سرافعلك الى والقيت عليك محبة
 منى، لا اله الا الله فاصتبر وليرسل
 في الامم، خذوا التوحيد التوحيد يا ابناء الفارس؛
 ولشرا الذين امنوا ان لهم قدم صدق عند ربهم،
 وامل عليهم ما ادحي اليك من ربك۔ ولا تقصر
 لخلق الله ولا قسم من الناس۔ اصحاب الصفة
 وما ادر ربك ما اصحاب الصفة۔ تروى اعينهم تفيض
 من الذم۔ يصلون عليك۔ ربنا اتنا سمعنا ناديا
 ينادى للايمان وداعيا الى الله وسراجا منيرا۔ املوا
 اسی طرح سے جلد چہارم میں ایک الہام نقل کیا گیا ہے۔ وہ بھی اسی طرح سے قرآن مجید کی

لے براہین احمدیہ جلد سوم صفحہ ۷۴۲، ترجمہ :- دنیا میں ایسے بہت سے ایسے مسافر رہتا ہے اور نیکیوں
 اور صدقیوں میں شامل ہوا اور نیکی کا حکم وہ اور برائی سے روکنا اور حضرت محمدؐ احوال عمدہ پر درود بھیج دینا
 و صلوات ہی پرورش کرنے والی ہے۔ بیشک میں تجھ کو اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور میں نے تیری محبت لوگوں
 کے دل میں پیدا کر دی ہے۔ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس لکھ اور بھیجا پائے اور کسے بھی بھیجا چاہیے۔
 توحید اختیار کرو، توحید اختیار کرو۔ اسے ایمان والو! اور بشارت دو، لوگوں کو جو یہ بھی بلائے کہ ان کا
 اللہ کے رب کے یہاں بٹایا یہ ہے اور ان کو پڑھ کر سناؤ جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے بھی
 کی گئی ہے اور مخلوق خدا کے لئے منہ نہ پھلاؤ اور لوگوں سے نہ آگناؤ جو ترے والے اور تمہیں کیا خبر کیا
 ہیں جو ترے والے تم دیکھتے ہیں ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہیں۔ تم پر درود بھیجتے ہیں، اے ہمارے
 پروردگار ہم نے ایک پکارنے والے کو پکارتے ہوئے سنا کہ ایمان کی صدا اٹھاتا ہے۔ اللہ کی طرف بڑھنے
 والا اس کو نکل دے روشن چراغ اُمید رکھو۔

کے ہیں اور الفاظ قرآنی کا ایک غیر مربوط مجموعہ ہے۔ اس میں عربیت اور قواعد کی بھی فاش غلطیاں ہیں۔ چونکہ مرزا صاحب نے اس کا ترجمہ بھی کر دیا ہے۔ اس لئے متن و ترجمہ دونوں نقل کیے جاتے ہیں:

واذا قيل لهم امنوا كما امن الناس
قالوا انؤمن كما امن السفهاء الا انهم
هم السفهاء ولكن لا يعلمون ويحبون
ان يدهنون^(۹)، قل يا ايها الكافرون
لا اعبد ما تعبدون، قل ارجعوا
الى الله فلا ترجعوا وقيل استجودوا
فلا تستجودون، ام تسلمهم من خرج
فهم من مغرم مشقون بل اتيناهم
بالحق فهم للحق كارهون، سبحانه
وتعالى عما يصفون، احسب
الناس ان يتركوا ان يقولوا امنا
وهم لا يفتنون، يحبون ان يمحذوا
بسم الله فيفعلوا ولا يخفى على الله
خافيه ولا يصلحه شئ قبل
اصلاحه ومن رد من مطبعه^(۹)
فلا مرد له +

اور جب ان کو کہا جائے کہ ایمان لاؤ جیسے لوگ
ایمان لائے ہیں تو وہ کہتے ہیں کیا ہم ایسا ہی ایمان
لاویں جیسے بیوقوف ایمان لائے ہیں۔ خبردار ہودی
بیوقوف ہیں مگر طے نہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ تم ان سے
براہن نہ کرو۔ کہنے کا فرد میں اس چیز کی پرستش نہیں کرتا
جس کی تم کرتے ہو، تم کو کہا گیا کہ خدا کی طرف رجوع کرو
تم رجوع نہیں کرتے اور تم کو کہا گیا کہ تم اپنے نفسوں پر غلبہ
آجاؤ تو تم غالب نہیں آتے، کیا قرآن لوگوں کے نزدیک
انگاہی ہے، پس وہ اس تلہ ان کی وجہ سے حق کو قبول کرنا
ایک پہاڑ سمجھتے ہیں، بلکہ ان کو مفت حتی دیا جاتا ہے اور
وہ حق سے کراہت کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان سے
پاک ہے جو وہ لوگ، اسکی ذات پر لگتے ہیں کیا یہ لوگ
یہ سمجھتے ہیں کہ بے امتحان لیے صرف بانی ایمان کے دعوے
سے چھوٹ جا دیں گے۔ چاہتے ہیں جو ایسے کاموں کی تعریف
کی جائے جن کو انھوں نے کیا نہیں اور جب تک وہ کسی چیز کی
اصلاح نہ کرے اصلاح نہیں ہو سکتی اور جو شخص اس کے

مطبع سے روکیا جائے اُس کو کوئی واپس نہیں لاسکتا۔

عربی کے علاوہ اس کتاب میں دو انگریزی کے الہام بھی درج ہیں۔

براہین احمدیہ کے ان چار حصوں میں جو سنہ ۱۸۸۱ء سے ۱۸۸۴ء تک شائع ہوئے ہیں، مرزا صاحب

براہین احمدیہ میں مرزا صاحب کا عقیدہ

نے صرف اس عقیدہ کا اظہار کیا ہے کہ الہام کا سلسلہ برابر جاری ہے اور جاری رہے گا اور انبیاء کی وراثت علم لدنی اور نورِ یقین اور علمِ قطعی کے باب میں جاری ہے۔ اس کتاب میں اپنی ذات کے متعلق وہ بار بار اظہار کرتے ہیں کہ وہ دنیا کی اصلاح اور اسلام کی دعوت کے لئے خدا کی طرف سے مامور اور عصرِ حاضر کے مجدد ہیں اور اُن کو حضرت مسیحؑ سے مماثلت حاصل ہے۔ اس کتاب میں اُن کو حضرت مسیحؑ کے آسمان پر جانے اور دوبارہ اترنے کا بھی اقرار ہے۔ خود مرزا صاحب نے نزولِ مسیحؑ کے ضمیمہ میں جو سنہ ۱۹۰۲ء کی تالیف ہے اور براہین احمدیہ کے حصہ پنجم میں جو سنہ ۱۹۰۵ء کی تصنیف ہے، اس کا اعتراف اور اس ماحریر پر اظہارِ تعجب کیا ہے کہ وہ اس وقت تک متعلقہ نزولِ مسیحؑ کے قائل تھے۔ براہین احمدیہ میں مرزا صاحب بڑی شد و حد سے کسی جدید نبوت اور کسی جدید وحی کا انکار کرتے ہیں، اس لئے کہ قرآن مجید اور اس کی تعلیمات کو کسی تحریف کا خطرہ نہیں ہے اور یہ مسلمانوں کے درِ ربّ پرستی و مخلوق پرستی کی طرف واپس جانے کا کوئی اندیشہ ہے بلکہ اس کے برعکس مشرکین کی طبیعتیں باعثِ متواتر استماعِ تعلیمِ فرقانی اور دائمی محبتِ اہلِ توحید کو کچھ توحید کی طرف میل کرتی جاتی ہیں اور تبت و وحی کا کام انھیں دونوں خطرات کا سدباب کرنا

۱۔ براہین احمدیہ، حصہ چہارم، صفحہ ۵۰۹۔ ۲۔ ملاحظہ ہو براہین احمدیہ، حصہ چہارم، صفحہ ۵۵۱، ۵۵۲۔

۳۔ مطبع ریاض ہند، سنہ ۱۸۸۲ء۔ ۴۔ ملاحظہ ہو سیرۃ المہدی، جلد ۱، صفحہ ۳۹۔ ۵۔ ضمیمہ کتاب نزولِ مسیح

صفحہ ۶ و براہین احمدیہ، حصہ پنجم، صفحہ ۸۵۔

اور انھیں دِنوں خرابیوں کی اصلاح ہے۔ اس لئے اب کسی جدید شریعت اور کسی نئے الہام کی ضرورت نہیں اور یہ ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتمِ رسل ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”اور جبکہ قرآن مجید کے اصولِ حقہ کا محض و مبدا لی ہو جانا یا پھر ساتھ اس کے تمام خلقت پر تاریکی، شرک اور مخلوق پرستی کا بھی چھا جانا، عندا عقل محال و متنع ہو اتو نئی شریعت دئے الہام کے نازل ہونے میں بھی امتناع عقلی لازم آیا کیونکہ جو امر مستلزم محال ہو، وہ بھی محال ہوتا ہے پس ثابت ہوا کہ آنحضرت حقیقت میں خاتمِ رسل ہیں۔“

معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے بہت سے علمی دینی **کتاب کا اثر اور اس کا ردِ عمل** حلقوں میں اس کتاب کا پر جوش استقبال کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب بہت صمیم وقت پر شائع ہوئی تھی۔ مرزا صاحب اور ان کے دوستوں نے اس کی تاثیر تبلیغ بھی بہت جوش و خروش سے کی تھی۔ اس کتاب کی کامیابی اور اس کی تاثیر کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس میں دوسرے مذاہب کو چیلنج کیا تھا۔ اور کتاب جواب دہی کے بجائے حملہ آورانہ انداز میں لکھی گئی تھی۔ اس کتاب کے خاص معرّضین اور پر جوش تائید کرنے والوں میں مولانا محمد حسین صاحب بنالوی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ انھوں نے اپنے رسالہ اشاعت السنہ میں اس پر ایک طویل تبصرہ یا تقریظ لکھی۔ جو رسالہ کے چھ نمبروں میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں کتاب کو بڑے شاندار الفاظ میں سراہا گیا ہے اور اس کو عصرِ حاضر کا ایک علمی کارنامہ اور تصنیفی شاہکار قرار دیا گیا ہے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ہی مولانا، مرزا صاحب کے دعاوی اور الہامات سے کھٹک گئے اور بالآخر وہ ان کے بڑے حریف اور مدِ مقابل بن گئے۔

لے حاشیہ برائین احمدیہ حصہ چہارم، صفحہ ۱۱۱ جلد ہفتم ۸۸۵ء صفحہ ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴

اس کے برخلاف بعض علماء کو اسی کتاب سے کھٹک پیدا ہوئی اور ان کو یہ نظر آنے لگا کہ یہ شخص نبوت کا مدعی ہے یا معتزب دعویٰ کرنے والا ہے۔ ان صاحب فراست لوگوں میں مولانا عبدالقادر صاحب لدھیانوی مرحوم کے دونوں صاحبزادے مولانا محمد صاحب اور مولانا عبدالعزیز صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ امرتسر کے اہل حدیث علماء اور غزنوی حضرات میں سے بھی چند صاحبوں نے ان الہامات کی مخالفت کی اور اس کو مستبعد قرار دیا۔ اس کتاب کی اشاعت نے مرزا صاحب کو دفعۃً قادیان کے گوشہ گننامی سے نکال کر شہرت و احترام کے منظر عام پر کھڑا کر دیا اور لوگوں کی نگاہیں ان کی طرف اٹھ گئیں۔

مرزا بشیر احمد صاحب نے سیرۃ المہدی میں صحیح لکھا ہے:

”براہین کی تصنیف سے پہلے حضرت مسیح موعود ایک گننامی کی زندگی بسر کرتے تھے اور گوشہ نشینی میں درویشانہ حالت تھی۔ گو براہین سے قبل بعض اخباروں میں مضامین شائع کئے کا سلسلہ آپ نے شروع فرمادیا تھا اور اس قسم کے اشتہارات سے آپ کا نام ایک گوشہ پبلک میں بھی آگیا تھا مگر بہت کم دراصل مستقل طور پر براہین احمدیہ کے اشتہار نے ہی سب سے پہلے آپ کو ملک کے سامنے کھڑا کیا اور اس طرح علم دوست اور مذہبی امور سے لگاؤ رکھنے والے طبقہ میں آپ کا انٹروکشن ہوا اور لوگوں کی نظریں اس دیہات کے رہنے والے گننام شخص کی طرف حیرت کے ساتھ اٹھنی شروع ہوئیں جس نے اس تختی اور تانے بٹے انعام کے وعدے کے ساتھ اسلام کی حقانیت کے متعلق ایک عظیم الشان

۱۔ رسالہ اشاعت السنۃ جلد ہفتم ۱۔ جون ۱۳۸۵ھ

کتاب لکھنے کا اعلان کیا، اب گویا آفتاب ہدایت جو لاریب اس سے قبل طلوع کر چکا تھا اُفق سے بلند ہونے لگا۔ اس کے بعد براہین احمدیہ کی اشاعت نے ملک کے مذہبی حلقہ میں ایک غیر معمولی توجہ پیدا کر دیا۔ مسلمانوں نے عام طور پر مصنفِ براہین کا ایک مجددی شان کے طور پر خیر مقدم کیا اور مخالفین اسلام کے کیمپ میں بھی اس کو لہ باری سے ایک بلچل مچ گئی۔

خود مرزا صاحب براہین احمدیہ کی تصنیف سے پہلے اپنی حالت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”یہ وہ زمانہ تھا جس میں مجھے کوئی بھی نہیں جانتا تھا، نہ کوئی موافق تھا نہ مخالف، کیونکہ میں اس زمانہ میں کچھ بھی چیز نہ تھا اور ایک احمدی الناس اور زمانہ گنہامی میں پوشیدہ تھا۔“

www.KitaboSunnat.com اس سے آگے لکھتے ہیں:

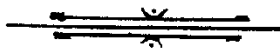
”اس قصبہ (قلاریان) کے تمام لوگ اور دوسرے ہزارہا لوگ جانتے ہیں کہ اس زمانہ میں درحقیقت میں اس مردہ کی طرح تھا جو قبر میں صد ہا سال سے مدفون ہو اور کوئی نہ جانتا ہو کہ یہ کس کی قبر ہے۔“

۱۸۸۹ء میں مرزا صاحب نے ہوشیار پور میں مڑلی دھڑ آریہ سماج سے مناظرہ کیا۔ اس مناظرہ کے بارہ میں انھوں نے ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام ”سرمہ چشم آریہ“ ہے۔ یہ کتاب مناظرہ مذہبِ فرق میں ان کی دوسری تصنیف ہے۔

۱۔ سیرۃ الہدی حصہ اول صفحہ ۱۳-۱۴ سے تکرر حقیقت الوحی، صفحہ ۲۸، ۲۹ سے تکرر حقیقت الوحی صفحہ ۲۸

پہلے دن کے مناظرہ کا موضوع بحث ”معجزہ شق القمر کا عقلی و نقلی ثبوت تھا۔
مرزا صاحب نے اپنی اس کتاب میں نہ صرف اس معجزہ بلکہ معجزات انبیاء کی پُر زور دلیل
وکالت کی ہے۔ انھوں نے ثابت کیا ہے کہ معجزات و خوارق کا وقوع عقلاً ممکن ہے۔
محدود انسانی عقل اور علم اور محدود انفرادی تجربات کو اس کا حق نہیں کہ وہ ان معجزات و خوارق
کا انکار کریں اور اس وسیع کائنات کے احاطہ کا دعویٰ کریں۔ وہ بار بار اس حقیقت پر زور
دیتے ہیں کہ انسان کا علم محدود مختصر اور امکان کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ان کا اس پر بھی
زور ہے کہ مذاہب و عقائد کے لئے ایسا بالغیب ضروری ہے اور اس میں اور عقل میں
کوئی منافات نہیں اس لئے کہ عقل غیر محیط ہے، واقعہ یہ ہے کہ بعد میں انھوں نے رفع و نزول
مسیح کے بارے میں اور حضرت مسیح کے صدیوں تک آسمان میں رہنے پر جو عقلی اشکال پیش
کیے ہیں اور بعد میں ان کے اندر جو عقلیت کا مرجحان پایا جاتا ہے اُس کی تردید میں اس کتاب
سے زیادہ سوزوں کوئی اور چیز نہیں ہو سکتی۔ اس کتاب میں مُعْتَصِف کی جو شخصیت نظر آتی
ہے وہ بعد کی کتابوں کی شخصیت سے بہت مختلف ہے۔

مرزا صاحب کو اپنی ان دو کتابوں کے لکھنے کے بعد اپنی شخصیت کا ایک نیا
رُخ کی تبدیلی انکشاف ہوا۔ ان کو اپنی تحریری و متکلمانہ و مناظرانہ صلاحیتوں کا علم ہوا اور
اُن کو اندازہ ہوا کہ ان میں اپنے احوال کو متاثر کرنے اور ایک نئی تحریک و دعوت کو چلانے کی
اچھی استعداد ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس انکشاف نے اُن کے ذہن میں ایک نئی تبدیلی پیدا
کی۔ اب اُن کا رُخ عیسائیوں اور آریہ سماجیوں سے مناظرہ کرنے کے بجائے خود مسلمانوں
کو دعوتِ مناظرہ و مقابلہ دینے کی طرف ہو گیا۔



مسیح موعود کا دعویٰ

پچھلے صفحات میں ہم کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ حکیم نور الدین صاحب سلسلہ ملاقات جموں میں مقیم تھے۔ اسی زمانہ میں مرزا صاحب سیالکوٹ میں حاکم ضلع کے یہاں ملازم تھے۔ دونوں میں خاص ذہنی مناسبت اور ذوقی اتحاد تھا۔ دونوں مذہبی مناظرے کے شائق اور دونوں بلند حوصلہ طبیعت رکھتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی شخصیت سے متاثر ہوا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان دونوں کے درمیان ۱۸۸۵ء سے خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، مرزا صاحب کے مجموعہ مکاتیب میں پہلا خط حکیم صاحب کے نام ۱۸۸۵ء کا ملتا ہے۔ یہ خط و کتابت برابر جاری رہتی ہے اور دونوں خانگی و ازدواجی امور تک میں ایک دوسرے سے مشورہ کرتے ہیں۔ مرزا صاحب حکیم صاحب کی ملاقات کے لئے جنوری ۱۸۸۶ء میں کشمیر کا سفر اختیار کرتے ہیں اور ایک مہینہ حکیم صاحب کے پاس قیام کرتے ہیں۔ مرزا صاحب برابر حکیم صاحب کو الہیات، بشارات اور نادر علوم و تحقیقات سے مطلع کرتے رہتے ہیں۔ وہ حکیم صاحب سے علماء کی مخالفت و تکفیر کی بھی شکایت کرتے ہیں۔ ۱۸۹۰ء کے ایک خط میں وہ حکیم صاحب کو تحریر فرماتے ہیں "اور میں نے سنا ہے ان لوگوں نے کچھ دبی زبان سے کافر کہنا شروع کر دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ ایک بڑے امر کو ظاہر کرنا چاہتا ہے۔"

۱۹ مکتوبات احمدیہ، جلد پنجم صفحہ ۷۹

۱۹۰ء تک مرزا صاحب کا دعویٰ

مرزا صاحب نے اس وقت تک صرف مجذوم و مأمور ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور مصنف

سیرۃ المہدی (مرزا بشیر احمد صاحب) کے بقول صرف یہ فرماتے رہے کہ ”مجھے اصلاح خلق کے لیے مسیح ناصری کے رنگ میں قائم کیا گیا ہے اور مجھے مسیح سے مماثلت ہے۔ انھوں نے براہین احمدیہ میں اس خیال کو ظاہر کیا تھا کہ دین اسلام کا غلبہ جس کا وعدہ ہوا آذی ارسلا رسولہ بالہدیٰ و دین الحق لیظہر علی الدین کلہ میں کیا گیا ہے مسیح موعود کے ذریعہ ظہور میں آئے گا جن کی دنیا میں دوبارہ آمد کی احادیث میں خبر دی گئی ہے۔ وہ حضرت مسیح کی اس پہلی زندگی کا نمونہ ہیں جب وہ اس دنیا میں تھے۔ وہ لکھتے ہیں:-

”یہ آیت (ہو الذی ارسل رسولہ) جہانی اور سیاست مکی کے طور پر حضرت مسیح کے حق میں پیشگوئی ہے اور جس غلبہ کا ملکہ دین اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح کے ذریعہ ظہور میں آئے گا اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق اور اقطار میں پھیل جائے گا لیکن اس عاجز پر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ خاکسار اپنی غربت اور انکسار اور توکل اور آیات اور انوار کی روش سے مسیح کی پہلی زندگی کا نمونہ ہے اور اس عاجز کی فطرت اور مسیح کی فطرت ہم نہایت ہی متشابہ واقع ہوئی ہے، گویا ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے یا ایک ہی درخت کے دو پھل ہیں اور بحدے اتحاد ہے کہ نظر کشفی میں نہایت ہی باریک امتیاز ہے۔“

لہ سیرۃ المہدی، حصہ اول

۱۹۰ء براہین احمدیہ، حصہ چہارم، صفحہ ۴۹۵ — ۴۹۸

۱۸۹۱ء عیسوی تقویم کا وہ سال ہے جو مرزا صاحب کی زندگی اور
ایک اہم مشورہ | قادیانیت کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اسی سال کے
 آغاز میں حکیم صاحب نے ایک خط میں مرزا صاحب کو مشورہ دیا کہ وہ مسیح موعود ہونے کا دعویٰ
 کریں۔ ہم کو حکیم صاحب کا اصل خط تو نہیں مل سکا لیکن مرزا صاحب نے اس خط کا جواب دیا ہے
 اس میں حکیم صاحب کے اس مشورہ کا حوالہ ہے۔ یہ خط ان کے مجموعہ مکاتیب میں موجود ہے اور
 اس پر ۲۲ جنوری ۱۸۹۱ء کی تاریخ درج ہے۔ اس سے اس تحریک کے فکری سرچشمہ کا اور اس کے
 اصل مجوز و مصنف کا علم ہوتا ہے۔ مرزا صاحب کے اس تاریخی خط کا اقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے۔
 ” جو کچھ آں خندہ نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر دمشق حدیث کے مصداق کو
 علیحدہ چھوڑ کر الگ شیل مسیح کا دعویٰ ظاہر کیا جائے تو اس میں حرج کیا ہے؟
 درحقیقت اس عاجز کو شیل مسیح بننے کی کچھ حاجت نہیں، یہ بننا چاہتا ہے
 کہ خدا تعالیٰ اپنے عاجز اور مطیع بندوں میں داخل کر لیں۔ لیکن ہم ابتلا
 سے کسی طرح بھاگ نہیں سکتے۔ خدا تعالیٰ نے ترقیات کا ذریعہ صرف ابتلا
 ہی کو رکھا ہے، جیسا کہ وہ فرماتا ہے ”احسب الناس ان یترکوا
 ان یقولوا امنا و ہم لا یفتنون“

۱۔ حکیم صاحب نے اپنے خط میں اگرچہ صرف شیل مسیح کے لفظ لکھے ہیں، لیکن جیسا کہ فتح اسلام اور آزاد اہام
 کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے شیل مسیح اور مسیح موعود دونوں لفظ مترادف ہیں اور مرزا صاحب ان دونوں
 کو ان کتابوں میں ایک دوسرے کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔ خود توضیح مرام کے صفحہ پہر لکھتے ہیں کہ اس
 نندل سے مراد درحقیقت مسیح ابن مریم کا نزول نہیں ہے بلکہ استعارہ کے طور پر ایک شیل مسیح کے آنے
 کی خبر دی گئی ہے جس کا مصداق حسب اعلام و الہام الہی یہی عاجز ہے۔ ”حکومتان ہند علیہ علیہ صوفیہ

اس مشورہ کے حقیقی اسباب و محرکات کیا تھے؟ کیا یہ حکیم صاحب کی دور بینی اور دور اندیشی اور جو صلہ منہ طبیعت ہی کا نتیجہ تھا یا یہ حکومتِ وقت کے اشارہ سے تھا جس کو ماضی قریب میں حضرت سید احمد صاحب کی دینی و دوزدہانی شخصیت اور اُن کی تحریک و دعوت سے بڑا نقصان پہنچ چکا تھا اور اسی دور میں جہدی سوڈانی کے دعوے جہدِ دین سے سوڈان میں ایک نئے بدستِ شورش اور بغاوت پیدا ہو چکی تھی اس سب کے توڑ اور آئندہ کے خطرات کے سدِ باب کے لیے یہی صورت مناسب تھی کہ کوئی قابلِ اعتماد شخصیت جس نے مسلمانوں میں اپنی دینی خدمات اور جوشِ مذہبی سے اثر و رسوخ پیدا کر لیا ہو مسیح موعود کے دعوے اور اعلان کے ساتھ کھڑی ہو اور وہ مسلمان جو ایک عرصہ سے مسیح موعود کے منتظر ہیں اس کے گرد جمع ہو جائیں، بہم و ثوق کے ساتھ اُن میں سے کسی ایک چیز کی تعیین نہیں کر سکتے اور یہ اسباب و محرکات کا پتہ لگانا آسان ہے، لیکن اس خط سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اس تحریک کا آغاز کس طرح ہوتا ہے۔

ابنیا کا اعلانِ نبوت کسی تحریک و مشورہ نہیں ہوتا | یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ انبیاء و مرسلین کا

معاملہ ان خارجی تحریکات و مشوروں اور رہنمائیوں سے بالکل الگ ہے اُن پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے اور اُن کو اُن کے منصبِ مقام کی قطعی اور واضح طریقہ پر خبر دی جاتی ہے۔ وہ اس تعیین سے سرشار ہوتے ہیں اور پہلے دن سے اس کا اعلان اور اس پر ہمارا کرتے ہیں اُن کے عقیدہ اور دعوت کا سلسلہ کسی تجویز یا رہنمائی کا بہین منت نہیں ہوتا۔ ان کا پہلے دن سے یہ کہنا ہوتا ہے:

وَبِذَلِكَ أَمَرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُتَّبِعِينَ
وَبِذَلِكَ أَمَرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ

مجھے اس کا حکم ہوا ہے اور میں پہلا فرمانبردار ہوں۔
مجھے اسی کا حکم ہے اور میں اس پر پہلا یقین کرنے والا ہوں۔

نزولِ مسیح کا عقیدہ | نزولِ مسیح کا عقیدہ ایک اسلامی عقیدہ ہے۔ مسلمان اس عقیدہ سے واقف اور اس کے قائل تھے۔ احادیث میں اس کی اطلاع دی گئی ہے اور مسلمان حالات کی خرابی اور پرہیزگاروں کے مصائب کے اثر سے کسی مردِ غیب کے منتظر بھی تھے اور بالخصوص تیرھویں صدی کے خاتمہ پر ظہورِ مسیح کا چرچا بھی تھا۔ حکیم صاحب کو اس کا خیال ہو سکتا تھا کہ مرزا صاحب نے اپنی دینی خدمات سے جو مقام حاصل کر لیا ہے، اس کی بنا پر مسلمان ان کے اس دعوئے مسیحیت کو تسلیم کر لیں گے۔

۱۔ حضرت مسیحؑ نے آسمان پر اترنے اور دوبارہ اترنے کا عقیدہ مسلمانوں کے عقائد میں سے ہے جو قرآن بھی دلالت کرتا ہے اور جو متواتر احادیث و آثار سے ثابت ہیں اور جو مسلمانوں میں بلا کسی انقطاع کے تسلسل کے سچا دلدار رہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اسکی تصریح کی ہے کہ نزولِ مسیح کی احادیث درجہ درجہ تواتر پہنچ چکی ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ابو الحسن ابراہیمؒ سے تواتر قول نقل کیا ہے۔ علامہ شوکانیؒ کا ایک مستقل رسالہ اس موضوع پر التوضیح فی تواتر ما جاء فی المنظر والجال والمسیح کے نام سے ہے۔ جہاں نقل کا تسلسل بھی کسی قابلِ اعتماد شخصیت کے اس خلاف مقول نہیں، معتزلہ کی طرف بھی اسکی نسبت صحیح نہیں۔ علامہ ابن حزمؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب الفصل فی الملل والنحل میں قلم لکھ دیا ہے کہ عقیدہ نزولِ مسیح ثابت ہے۔ ان اقوال و تفصیلات کے لئے مولانا نور شاہ صاحبؒ کی جلیل القدر تصنیف ”عقیدۃ الاسلام“ ملاحظہ کیجئے۔ جہاں تک مسئلہ کے عقلی پہلو کا تعلق ہے تو واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو محیط اور اللہ کی صفات و افعال کو کامل ماننے کے بعد کسی ایسی چیز کے امکان وقوع میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں جو عقل میں ثابت ہو خصوصیت کے ساتھ طبیعت و علوم طبیعیہ کی جدید ترقیات و فتوحات کے بعد اور انی اقتعات کے درپے وقوع کے بعد جو علم و اختراعات کی اس ترقی سے پہلے عقلی طور پر محال و ناممکن اور وقوع کے بجائے تھے اور ایسے وقت میں جب مصنوعی چاند قلیل سے قلیل وقت میں دھماکے کر چکر لگا لیتے ہیں اور انسان چاند تک پہنچتا اور خلا اور فضا میں سفر کی کوشش کر رہا ہے، خلا کا ناسک حکم و ارادہ سے کسی مہی کا زمین سے اوپر جانا اور طویل مدت تک ہٹا کیا ناممکن اور مستبعد ہے، اس مسئلہ میں ان عقلی شکالات کو پیش کرنا جو ثنائی فلسفہ کی قدیم طبیعت کے خیالی مفروضات اور نظری قیاسات پر مبنی ہیں ایک ایسی طفلانہ ذہنیت ہے جو جس کی اس ترقی یافتہ زمانہ میں گنجائش نہیں۔

مرزا صاحب نے جس انداز میں حکیم صاحب کی پیشکش قبول کرنے سے معذرت کی ہے اور ان کے خط

سے جس کسر نفسی، تواضع اور خشیت کا اظہار ہوتا ہے وہ بڑی قابلِ قدر چیز ہے اور اس سے مرزا صاحب کے وقار میں اضافہ ہوتا ہے، لیکن ان کی کتابوں کا تاریخی جائزہ لینے کے بعد یہ تاثر اور عقیدت جلد ختم ہو جاتی ہے۔ اچانک یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے حکیم صاحب کی اس تجویز کو قبول کر لیا اور تھوڑے ہی دنوں میں انھوں نے ”مثیل مسیح“ ہونے کا دعویٰ اور اعلان کر دیا۔

اس سلسلہ تصانیف کے بعد جس میں اسلام کی خالص حمایت اور مذاہب غیر کی تردید تھی اور جو مسیح موعود کے دعوے سے بالکل خالی ہیں۔ مرزا صاحب کی پہلی تصنیف ”فتح اسلام“ ہے۔ یہ ۱۸۹۱ء میں شائع ہوئی اور یہی وہ تاریخی سن ہے جو ان کے دو دوروں کے درمیان حد فاضل کا کام دیتا ہے۔ اس کتاب میں ہم پہلی مرتبہ ان کا یہ دعویٰ پڑھتے ہیں کہ وہ مثیل مسیح اور مسیح موعود ہیں، وہ لکھتے ہیں:

”اگر تم ایماندار ہو تو شکر کرو اور شکر کے سجدات بجالاؤ کہ وہ

زمانہ جس کا انتظار کرتے کرتے تمھارے بزرگ آبا گزر گئے اور بے شمار

روحیں اُس کے شوق میں ہی سفر کر گئیں۔ وہ وقت تم نے پایا۔ اب اس

لے اس سلسلہ کی تین کتابیں ہیں: براہین احمدیہ، سرمرچشم آریہ اور شحنت حق لے مرزا بشیر احمد صاحب نے

سیرۃ المہدی میں لکھا ہے: حضرت مسیح موعود نے ۱۸۹۰ء کے اواخر میں ”فتح اسلام“ تصنیف فرمائی تھی اور اس

کی اشاعت شروع ۱۸۹۴ء میں گدھیانہ سے کی گئی۔ یہ وہ پہلا سال ہے جس میں آپ نے اپنے ”مثیل مسیح“ ہونے

اور مسیح ناصری کی وفات کا ذکر کیا ہے۔ گویا مسیح موعود کے دعوے کا یہ سب سے پہلا اعلان ہے (صفحہ ۲۶۷)

۲۶۸ حصہ اول) اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ بھی مثیل مسیح اور مسیح موعود کو مترادف الفاظ ماننے میں۔

کی قدر کرنا یا نہ کرنا اور اس سے فائدہ اٹھانا یا نہ اٹھانا تمہارے ہاتھ میں ہے، میں اس کو بار بار بیان کروں گا اور اس کے اظہار سے میں رک نہیں سکتا۔ کہ میں وہی ہوں جو وقت پر مصلح خلق کے لئے بھیجا گیا کہ دین کو تازہ طور پر دلوں میں قائم کر دیا جائے۔ میں اسی طرح بھیجا گیا ہوں جس طرح وہ شخص بعد میں اللہ مرد خدا کے بھیجا گیا تھا جس کی روح ہیروڈیس کے عہد حکومت میں بہت تکلیفوں کے بعد آسمان پر اٹھائی گئی۔ سو جب دوسرا کلیم اللہ حقیقت میں سب سے پہلا اور سید الانبیاء ہے، دوسرے فرعونوں کی سرکوبی کے لئے آیا جس کے حق میں ہے انا ارسلنا الیکم رسولاً شاہداً علیکم کہ انا ارسلنا الی فرعون رسولاً تو اس کو بھی جو اپنی کارروائیوں میں کلیم اول کا شیل مگر رتبہ میں اس سے بزرگ تر تھا، ایک شیل المسیح کا وعدہ دیا گیا اور وہ شیل المسیح قوت اور طبع اور خاصیت مسیح ابن مریمؑ کی پاکر اسی زمانہ کی مانند اور اسی مدت کے قریب قریب جو کلیم اول کے زمانہ سے مسیح ابن مریمؑ کے زمانہ تک تھی یعنی چودھویں صدی میں آسمان سے اُترا اور وہ اترنا روحانی طور پر تھا جیسا کہ مکمل لوگوں کا صعود کے بعد خلق اللہ کی اصلاح کے لئے نزول ہوتا ہے اور سب باتوں میں اسی زمانہ کے ہم شکل زمانہ میں اُترا، جو مسیح ابن مریمؑ کے اترنے کا زمانہ تھا، تا سمجھنے والوں کے لئے نشان ہو۔

یہ عبارت اگرچہ کافی گنجشک اور الجھی ہوئی ہے (اور شاید ایسا قصد کیا گیا ہے) صراحت کے ساتھ مرزا صاحب کے عقیدہ اور نئے دعوے کو ظاہر کرتی ہے

لے حج اسلام ص ۶۹

اور یہ کہ وہ ثیل مسیح ہیں، ان کی تینوں کتابیں ”فتح اسلام“، ”توضیح مرام“ اور ”الذالہ اودہام“ جو ۱۸۹۱ء کی تالیف ہیں، اسی موضوع پر ہیں اور ان میں بار بار اسی بات کو دہرایا گیا ہے۔ اسی کتاب (فتح اسلام) کے دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

”سو اس عاجز کو اور بزرگوں کی فطرتی مشابہت سے علاوہ جس کی تفصیل براہین احمدیہ میں بسط تمام مندرج ہیں حضرت مسیحؑ کی فطرت سے ایک خاص مشابہت ہے اور اسی فطرتی مشابہت کی وجہ سے مسیح کے نام پر یہ عاجز بھیجا گیا۔ تا صلیبی اعتقاد کو پاش پاش کر دیا جائے۔ سو میں صلیب کو توڑنے اور خنزیروں کے قتل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ میں آسمان سے اتر اہوں۔ ان پاک فرشتوں کے ساتھ جو میرے ”میں بائیں تھے“ انھوں نے اپنی کتاب ”(توضیح مرام) جو ”فتح اسلام“ کے بعد دوسری تصنیف ہے کی ابتداء اس صاف و صریح عبارت سے کی ہے:

”مسلمانوں اور عیسائیوں کا کسی قدر اختلاف کے ساتھ یہ خیال ہے کہ حضرت مسیح بن مریم اسی عنصری وجود سے آسمان کی طرف اٹھائے گئے ہیں اور پھر وہ کسی زمانہ میں آسمان سے اتریں گے“ میں اس خیال کا غلط ہونا اپنے اسی رسالہ میں لکھ چکا ہوں کہ اس نازل سے مراد درحقیقت مسیح بن مریم کا نزول نہیں بلکہ استعارہ کے طور پر ایک ثیل مسیح کے آنے کی خبر دی گئی ہے جس کا مصداق حسبِ اعلام والہام الہی یہی عاجز ہے۔“

علمی اشکال اور ان کا حل | حکیم نور الدین صاحب چونکہ احادیث و روایات پر وسیع نظر

لے فتح اسلام حاشیہ صفحہ ۹ لے توضیح مرام صفحہ ۲

رکھتے تھے، اس لئے وقتاً فوقتاً ان علمی اشکالات پر متنبہ اور ان دشمنوں کی طرف بھی متوجہ کرتے رہتے تھے جو اس دعوے کے بعد پیش آتے ہیں اور ان کے حل میں بھی مدد دیتے تھے۔ اس بارہ میں کہ ان صفات کو جو حضرت مسیحؑ کے بارہ میں وارد ہوتی ہیں مرزا صاحب کس طرح اپنے اوپر منطبق کریں خاص دلالت و رہنمائی کی ضرورت تھی۔ یہاں ان اشکالات اور ان کے حل کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

دمشق کی تشریح | کی عمارت اٹھائی ہے نزولِ مسیح کی کیفیت اور متعدد تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ کا نزول دمشق میں ہوگا۔ اب اگر مرزا صاحب مسیح موعود ہیں تو اس اطلاع کے صحیح ہونے کی کیا صورت ہے؟ دمشق اور قادیان میں بہت بڑا فاصلہ ہے اور دونوں کا فرق جغرافیہ کے ایک متبدی طالب علم بلکہ ایک عامی کو بھی معلوم ہے۔ شاید مرزا صاحب کا ذہن خود اس اشکال کی طرف منتقل نہیں ہوا تھا۔ حکیم نور الدین صاحب نے (جو حدیث کے ایک اچھے طالب علم رہ چکے تھے) ان کو اس الجھن کی طرف متوجہ کیا۔ اب بہتر یہ ہے کہ ہم خود مرزا صاحب کی زبان سے سنیں کہ ان کو اس مسئلہ کی طرف کس طرح توجہ ہوئی اور انھوں نے اس کا حل کیا تجویز کیا۔ ”ازالہ اوہام“ کے ایک حاشیہ پر لکھتے ہیں:-

”یہ عاجز بھی اس بات (دمشق کی حقیقت) کی تفتیش کی طرف متوجہ نہیں ہوا کہ وہ معنی کیا ہیں کہ اسی اثنا میں میرے ایک دوست اور محبِ واثق مولوی حکیم نور الدین صاحب اس جگہ قادیان میں تشریف لائے اور انھوں نے اس بات کے لئے درخواست کی جو مسلم کی حدیث میں لفظ دمشق و نیز اور چند ایسے محل الفاظ ہیں۔

ان کے انکشاف کے لئے جناب الہی میں توجہ کی جائے۔ چونکہ ان دنوں میں میری طبیعت علیل اور دماغ ناقابلِ جدوجہد تھا، اس لئے میں ان تمام مقاصد کی طرف توجہ کرنے سے مجبور رہا۔ صرف تھوڑی سی توجہ کرنے سے ایک لفظ کی تشریح یعنی دمشق کے لفظ کی حقیقت میرے پر کھل گئی۔“

اس کے بعد دمشق کے بارے میں اپنی تحقیق اور انکشاف اس طرح پیش کیا ہے:

”پس واضح ہو کہ دمشق کے لفظ کی تاویل میں میرے پر من جانب اللہ یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس جگہ ایسے قصبہ کا نام دمشق رکھا گیا ہے جس میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو یزیدی الطبع اور یزید پلیدی کی عادات و خیالات کے پیرو ہیں، جن کے دلوں میں اللہ اور رسولؐ کی کچھ محبت اور احکام الہی کی کچھ عظمت نہیں جنہوں نے اپنی خواہشوں کو اپنا معمول بنا رکھا ہے اور اپنے نفسِ آمارہ کے حکموں کے ایسے مطیع ہیں کہ مقدسوں اور پاکوں کا خون بھی ان کی نظر میں سہل اور آسان ہے اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور خدا کا نام کا موجود ہونا ان کی نگاہ میں ایک پیچیدہ مسئلہ ہے جو انہیں سمجھ نہیں آتا۔ اور کیونکہ طبیب کو بیماروں کی طرف آنا چاہیے اس لئے ضرور تھا کہ مسیح ایسے ہی لوگوں میں نازل ہو۔“

”پس مسیح کا دمشق میں اتنا صاف دلالت کرتا ہے کہ کوئی مثیلِ مسیح جو حسین سے بھی بوجہ مشابہت ان دونوں بزرگوں کی ممانکت رکھتا ہے، یزیدیوں کی تنبیہ اور عزم کرنے کے لئے جو مثیلِ یسوع ہیں اُترے گا۔“

۱۰ حاشیہ ازالہ اوہام، صفحہ ۳۲، ۳۳

۱۱ ازالہ اوہام، صفحہ ۳۲، ۳۳
۱۲ حاشیہ ازالہ اوہام

”دشمن کا لفظ محض استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔“

”تب اُس نے مجھ سے کہا کہ یہ لوگ یزیدی الطبع ہیں اور یہ قصبہ

(قادیان) دشمن کے مشابہ ہے۔ سو خدا تعالیٰ نے ایک بڑے کام کے لئے اس وقت

میں اس عاجز کو اتارا۔ بطرف شرقی عند المنارة البیضاء من

المسجد الذی من دخله کان امنا وتبارک الذی انزلنی

فی ہذا المقام

احادیث میں نزولِ مسیح کے وقت کی کیفیات اور واقعہ کی تفصیلاً
دُورِ دچادریں بیان کی گئی ہیں ان کو مرزا غلام احمد صاحب اپنی ادھر منطبق کرنے

میں ایسی موٹگافیوں اور نکتہ آفرینیوں سے کام لیتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اپنے فائزین
یہاں مصلحت پر اعتماد ہے کہ وہ بعید سے بعید تاویل اور ناقابلِ فہم نکتہ بھی قبول کر لیں گے۔

مرزا صاحب کے مخالفین نے ان پر اعتراض کیا کہ نزول کی جن احادیث سے وہ استدلال کرتے
ہیں اور ان پر اپنی دعوت و دعوے کی بنیاد رکھتے ہیں ان میں یہ بھی تو آیا ہے کہ جس وقت
حضرت مسیح نزول فرمائیں گے۔ ان پر دو زرد چادریں ہوں گی۔ اس کے جواب میں فرماتے ہیں

”میں ایک دائم الارض آدمی ہوں اور وہ دو زرد چادریں جن کے

بارہ میں حدیثوں میں ذکر ہے کہ ان دو چادروں میں مسیح نازل ہوگا۔ وہ

زرد چادریں میرے شمالی حال میں جن کی تعبیر علم تعبیر الرؤیا کی رو سے دو

بیاباں ہیں سو ایک چادر میرے اوپر کے حصہ میں ہے کہ ہمیشہ سرد و اور

دورانِ سردی کی خواب اور تشنگی دل کی بیماری دورہ کے ساتھ آتی ہے۔

۱۸۰ حاشیہ از الزادہ ام صفحہ ۳۴ ۱۸۱ حاشیہ صفحہ ۶۸

اور دوسری چادر جو میرے نیچے کے حصہ بدن میں ہے وہ بیماری
 دیا بطیس ہے کہ ایک مدت سے دامنگیر ہے اور بسا اوقات سو سو دفعہ
 مات کو یاد آن کو پیشاب آتا ہے اور اس قدر کثرت پیشاب سے جس قدر
 عوارض ضعف وغیرہ ہوتے ہیں وہ سب میرے شامل حال ہوتے ہیں۔

حدیثوں میں دمشق کے مینارہ شرقی کا بھی ذکر آتا ہے جس
 دمشق کا مینارہ شرقی پر حضرت مسیح کا نزول ہوگا، مرزا غلام احمد صاحب نے
 دمشق کے لفظ کی طرح اس کی تاویل کی زحمت برداشت کرنے کے بجائے یہ مناسب سمجھا
 کہ قادیان کے مشرقی حصہ میں مینارہ ہی تعمیر کر دیا جائے۔ انھوں نے مسئلہ میں اس بات
 کا فیصلہ کر لیا جیسا کہ سیرۃ الہدی سے معلوم ہوتا ہے اور اس کے لئے چندہ کی فہرست
 بھی کھول دی اور لوگوں کو اس میں چندہ کی ترغیب دی اور ۱۹۰۲ء میں اس کا سنگ بنیاد
 بھی رکھ دیا، لیکن اس مینارہ کی تکمیل ان کی زندگی میں نہیں ہو سکی یہ سعادت ان کے
 صاحب زادے مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے حصہ میں آئی۔

ان تینوں تصنیفات میں مرزا صاحب کی طبیعت کا جوش بہت بڑھ گیا
 طنز و استہزاء ہے اور ان کی تحریر میں طنز و تعریض کا ایک ایسا عنصر اور ایسی تلخی
 آگئی ہے جس کی وجہ سے یہ کتابیں سنجیدہ بحث و نظر کی کتابوں اور اسلامی و دعوتی تصنیفات
 کے بجائے جو طنز کی کتابوں میں شامل ہو جاتی ہیں۔ ان کتابوں میں مرزا صاحب نے جو اسلوب تحریر
 اختیار کیا ہے وہ پیغمبروں سے قطع نظر اور مصلحین و مجددین کو بھی چھوڑ کر متین و سنجیدہ مفسرین
 اور باوقار اہل قلم سے بھی کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ انھوں نے حیات و نزول مسیح کے عقیدہ
 کا اور اس کے ماننے والوں کا جس انداز میں مذاق اڑایا ہے وہ ایک علمی بزم سے زیادہ
 لہ اشتہار چندہ منارہ المسیح شامل کتاب خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۵ سیرۃ الہدی جلد ۱ صفحہ ۱۵۴

اُمرا کے درباروں اور معاجنوں کی فقرہ بازیوں سے مشابہ ہے، نیز ان کے اندر جو مجادلاتہ
روح اور وکیلانہ موشگافیاں ہیں، اُن کو کلامِ نبوت اور مزاجِ نبوت سے کوئی مناسبت نہیں۔
حضرت مسیح کے آسمان پر اس وقت تک زندہ رہنے کو عقلاً محال ثابت کرتے ہوئے
اور اس میں عقلی اشکالات بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اذاں جملہ ایک ایسے اعتراض کہ اگر ہم فرضِ محال کے طور پر قبول کر لیں
کہ حضرت مسیح اپنے جسمِ خاکی کے سمیت آسمان پر پہنچ گئے تو اس بات کے اقرار سے
ہمیں چارہ نہیں کہ وہ جسم جیسا کہ تمام حیوانی و آسمانی اجسام کے لئے مقرر
ہے آسمان پر بھی تاثیرِ زمانہ سے ضرور متاثر ہوگا اور یہ مردِ زمانہ لا بد ہی و
لازمی طور پر ایک دن ضرور اس کے لئے موت واجب ہوگی۔ پس اس صورت
حال میں تو حضرت مسیح کی نسبت یہ ماننا پڑتا ہے کہ اپنی عمر کا دودھ پورا
کر کے آسمان پر ہی فوت ہو گئے ہیں اور کواکب کی آبادی جو آج کل تسلیم
کی جاتی ہے، اُسی کے کسی قبرستان میں دفن کئے گئے ہوں گے اور اگر پھر
فرض کے طور پر اب تک زندہ رہنا ان کا تسلیم کر لیں تو کچھ شک نہیں

لے مراد صاحب کے زمانہ میں علومِ طبیعیہ نے اتنی ترقی نہیں کی تھی اور دوسرے تیاریوں اور خلاؤں کے متعلق ایسے محرکات
نہیں ہوئے تھے کہ ان کو یہ معلوم ہوتا کہ زمانہ و مکان (TIME & SPACE) کے زمینی قوانین اور پیمانے
دوسرے سیاروں اور خلاؤں میں نافذ نہیں اور وہاں وقت کا تصور اور اس کا پیمانہ وہاں کے تصور اور پیمانے بالکل
مختلف ہیں۔ یہاں کے ایک ہزار سال وہاں کی ایک ساعت کے برابر ہو سکتے ہیں تو اسی طرح سے تغیرِ وقت اور احساسات
غریبات میں دونوں عالم بہت مختلف ہیں۔ انسان کو یہ قدمِ کمزوری ہے کہ وہ اپنے معلومات اور تجربات اور اپنے
زمانہ کے مشہورات و مسلمات پر ضرورت سے زائد اعتماد کرتا ہے اور ان کی بنا پر بہت سے حقائق کا جو ابھی اس
کے علم و تجربہ میں نہیں آئے شدتِ مد سے انکار کرنے لگتا ہے بل کہ ذہنِ باہلہ و محیطِ طویلِ علمہ و علمائے اہم
تاویلہ (یونس ع ۴۴) بات یہ ہے کہ جھٹلانے لگے جس کے گھنے پر انہوں نے قابو نہ پایا اور ابھی آئی نہیں
اس کی حقیقت :

کہ اتنی مدت کے گزرنے پر پرفرتوت ہو گئے ہوں گے اور اس کام کے برعکاس
 نہیں ہو گئے کہ کوئی خدمتِ دینی ادا کر سکیں، پھر ایسی حالت میں ان کا دنیا میں
 تشرف لانا بجز ناحق تکلیف کے اور کچھ فائدہ بخش نہیں معلوم ہوتا۔“

ایک جگہ حدیث کے ٹکڑے دیکھنا الخنزیر کے عام فہم معنی پر تعریض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
 ”کیا حضرت مسیح کا زمین پر اترنے کے بعد عمدہ کام یہی ہو گا کہ وہ
 خنزیروں کا شکار کیلئے پھریں گے اور بہت سے کتے ساتھ ہوں گے، اگر یہی سچ
 ہے تو پھر سکھوں اور چاروں اور سانیوں اور گندلیوں وغیرہ جو خنزیر کے
 شکار کو دست رکھنے میں خوشخبری کی جگہ ہے کہ ان کی خوب بن آئے گی پچ
 ایک دوسری جگہ نزولِ مسیح کی حقیقت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”ایسا ہو کہ کسی عبادہ (بیلون) پر چڑھنے والے اور پھر تھارے سنا
 اترنے والے کے دھوکہ میں آجاؤ۔ سو ہوشیار رہنا۔ آئندہ تم اپنے اس منہ
 ہوئے خیال کی وجہ سے کسی ایسے اترنے والے کو ابنِ مریم نہ سمجھ بیٹھنا۔“
 ایک جگہ عقیدہٴ نزولِ مسیح کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

بھائیو! اس بحث کی دو ٹانگیں تھیں،

(۱) ایک تو ابنِ مریم کا آخری زمانہ میں جسمِ خاکی کے ساتھ آسمان سے
 اترنا تو اس ٹانگ کو تو قرآن شریف اور نیز بعض احادیث نے بھی مسیح ابنِ مریم
 کے فوت ہو جانے کی خبر دے کر توڑ دی ہے۔

(۲) دوسری ٹانگ دجال مہمود کا آخری زمانہ میں ظاہر ہونا تھا سو

لے ازالہ اوہام، ۲۵، ۲۶، ۲۷ ایضاً صفحہ ۲۱، ۲۲ ایضاً صفحہ ۱۳۲

اس مانگ کو صحیح مسلم اور صحیح بخاری کی متفق علیہ حدیثوں نے جو صحابہؓ کی روایت سے ہیں، دو ٹوک کر دیا اور ابن ہنیٰؒ کو دجال مہمود ٹھہرا کر آخر مسلمانوں کی جماعت میں داخل کر کے مار بھی دیا۔ اب جب کہ اس بحث کی دو ٹانگیں ٹوٹ گئیں تو پھر اب تیرہ سو برس کے بعد یہ وہ جس کے دونوں پیر نہیں، کیوں اور کس کے سہارے کھڑا ہو سکتا ہے؟ ایک دوسری جگہ اسی تسخیر کے انداز میں لکھتے ہیں:-

”کیا احادیث پر اجماع ثابت ہو سکتا ہے کہ مسیح اگر جنگوں میں خنزریوں کا شکار کھیلتا پھرے گا اور دجال خانہ کعبہ کا طواف کرے گا اور ابن مریم بیاروں کی طرح دو آدمیوں کے کاندھے پر ہاتھ دھر کے فرض طواف کعبہ بجالائے گا۔ کیا معلوم نہیں کہ جو لوگ ان حدیثوں کی شرح کرنے والے گزرے ہیں وہ کیسے بے ٹھکانا اپنی تکیں ہانک رہے ہیں؟“

ایک دوسری جگہ علمائے اہل سنت کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:-

”اے حضرات مولوی صاحبان! جبکہ عام طور پر قرآن شریف سے مسیح کی وفات ثابت ہوتی ہے اور ابتدا سے آج تک بعض اقوال صحابہؓ و مفسرین بھی اُس کو مارتے ہی چلے آتے ہیں تو آپ لوگ ناحق ضد کیوں کرتے ہیں۔ کہیں عیسائیوں کے خدا کو مرنے بھی تو دو اکب تک اس کو حی لا یموت کہتے جاؤ گے، کچھ انتہا بھی ہے۔“

۱۔ ازالہ اوہام صفحہ ۳۳، ۳۴، ۳۵ ازالہ اوہام صفحہ ۲۱۴ ۲۔ ازالہ اوہام صفحہ ۳۵

اپنے دور کے طبیعیاتی تحقیقات کے مرعوبیت

مرزا صاحب کی اس دور کی تصنیف سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ

کے علوم طبیعیات کے ان معلومات سے بہت مرعوب ہیں جن کا اس زمانہ میں ہندوستان میں نیا نیا چرچا ہوا تھا۔ حالانکہ علوم طبیعیہ اس وقت یورپ میں بھی درِ طفولیت میں تھے اور مرزا صاحب کی معلومات اس سلسلہ میں اور بھی سرسری (SECOND HAND) ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ عقیدہ نزول مسیح کے انکار کا ایک بڑا محرک یہی ہے کہ یہ عقیدہ سائنس کی جدید معلومات و مسلمات سے مطابقت نہیں رکھتا اور یہ جدید تعلیم یافتہ طبقے کے لئے تشویش کا باعث ہو گا۔ ازالہ ادہام میں ایک جگہ لکھتے ہیں:-

”اس فلسفی الطبع زمانہ میں جو عقلی شائستگی اور ذہنی تیزی اپنے

ساتھ رکھتا ہے۔ ایسے عقیدہ کے ساتھ دینی کامیابی کی امید رکھنا ایک بڑی بھاری غلطی ہے۔ اگر افریقہ کے ریگستان یا عرب کے صحرائیں اور بدوؤں میں یا سمندر کے جزیروں کے اور وحشی لوگوں کی جماعتوں پر ایسے بے روزیاں باتیں پھیلانیں تو شاید آسانی سے پھیل سکیں۔ لیکن ہم ایسی تعلیمات کو جو عقل و تجربہ اور طبعی اور فلسفہ سے بکلی مخالف اور نیریز ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ثابت نہیں ہو سکتیں۔ بلکہ ان کے مخالف حدیثیں ثابت

سے معلوم نہیں مرزا صاحب نے دوسرے حقائق غیبیہ وحی، ملائکہ، جنت و نار کے اعتقاد اور انا کی تہذیب کو کس طرح گوارا فرمایا اور دین کے مطالبہ ایمانی بالغیب کو جو دین کی روح اور ہدایت کی شرط و اساس کے طور پر قبول کیا۔ اقتباس بالا سے اس میں رعبیت اور علوم جدیدہ کی تقدیس کا اندازہ ہوتا ہے جو انیسویں صدی کے نصف آخر میں سطحی نظر مصنفین اور نیم تعلیم یافتہ اصحاب کا شعار بن گئی تھی۔

ہو رہی ہیں تعلیم یافتہ لوگوں میں ہرگز نہیں پھیل سکتے اور نہ یورپ امریکہ کے محقق طبع لوگوں کی طرف جو اپنے دین کی لغویات سے دستبردار ہو رہے ہیں بطور ہدیہ اور تحفہ بھیج سکتے ہیں۔ جن لوگوں کے دل و دماغ کو نئے علوم کی روشنی نے انسانی قوتوں میں ترقی دی ہو وہ ایسی باتوں کو تسلیم کر لینگے جنہیں سراسر خدا تعالیٰ کی توہین اور اس کی توحید کی اہانت اور اس کے قانون قدرت کا ابطال اور اس کے کتابی اصول کی تنسیخ پائی جاتی ہے۔

اس طرح کی تنقیدات کو پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ لکھنے والا ”سرمہ چشم آریہ“ کا مصنف نہیں ہے جس نے معجزات کے امکان و وقوع پر نہ دربار بحث کی ہے اور اس سے انکار کیا ہے کہ عقل اور محدود انسانی تجربوں کی بنا پر ان مافوق الطبیعیات چیزوں کا انکار کرنا درست ہے۔

جمل کے حساب سے استدلال | اس کتاب میں مرزا صاحب نے جمل کے حساب سے بھی بہت استدلال کیا ہے، اور یہاں ان کا انداز باطنی معنفین اور داعیوں سے مل جاتا ہے، جو اعداد جمل سے بڑے بڑے دینی حقائق اور عقائد ثابت کرتے تھے، وہ لکھتے ہیں:

”مجھے کشفی طور پر مندرجہ ذیل نام کے اعداد حروف کی طرف توجہ

دلائی گئی کہ دیکھ سہی مسیح ہے کہ جو تیرھویں صدی کے پورے ہونے پر ظاہر ہونے والا تھا پہلے سے یہی تاریخ ہم نے نام میں مقرر کر رکھی تھی۔ اور وہ یہ نام ہے ”مرزا غلام احمد قادیانی“ اس نام کے عدد پورے

پورے تیرہ سو ہیں اور اس قصیدہ قادیان میں مجز اس عاجز کے اور کسی شخص کا غلام احمد نام نہیں بلکہ میرے دل میں ڈالا گیا ہے کہ اس وقت مجز اس عاجز کے تمام دنیا میں غلام احمد قادیانی کسی کا بھی نام نہیں اور اس عاجز کے ساتھ اکثر یہ عادت اللہ جاری ہے کہ وہ سجانہ محض اسرار اعداد حروف تہجی میں میرے پر ظاہر کر دیتا ہے۔
 دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”اب اس تحقیق سے ثابت ہے کہ مسیح ابن مریم کے آخری زمانے میں آنے کی قرآن شریف میں پیشگوئی موجود ہے۔ قرآن شریف میں جو مسیح کے نکلنے کی چودہ سو برس مدت ٹھہرائی ہے۔ بہت سے اولیاء بھی اپنے مکاشفات کی رو سے اس مدت کو مانتے ہیں اور آیت وانا علی ذہاب بہ لقادر ورجع، جس کے بحساب حمل مسئلہ، عدد ہیں۔ اسلامی چاند کی سلج کی راتوں کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ جس میں نئے چاند کے نکلنے کی اشارت چھپی ہوئی ہے جو غلام احمد قادیانی کے عددوں میں بحساب حمل پائی جاتی ہے۔“

ان کتابوں میں مرزا صاحب نے احادیث میں آئے ہوئے الفاظ و کلمات کی تشریح و تاویل اور ان کا مصداق تجویز کرنے میں ایسی فیاضی اور بے تکلفی سے کام لیا ہے جو کسی مصنف اور شاعر کے لئے اپنے کلام کی تشریح میں بھی مشکل ہے۔ انھوں نے ان تمام الفاظ

۱۔ انا الذی اذہم صفر ۹۰ لے واضح رہے کہ سورہ مومنون کی یہ آیت آسمانی بارش کے متعلق ہے۔ پوری اس طرح ہے وانا نزلنا من السماء ماءً یقدر فیہ فاسکننہ فی الارض وانا علی ذہاب بہ لقادر و
 ۲۔ انا الذی اذہم صفر ۳۳۸

کو عجائبات و استعجابات قرار دے دیا ہے اور ان باطنیہ مستقیمین کی یاد تازہ کر دی ہے جو دینی اصطلاحات اور شرعی الفاظ کے (حس کے لفظ اور معنی دونوں) توازن سے چلے آ رہے ہیں (ایسے دُرُوز کار اور مُضْحِک معنی بیان کرتے تھے جن کے لئے نہ کوئی لغوی بُنیاد تھی نہ عقلی) اور اس طرح امت میں الحاد و فساد کا ایک بڑا دروازہ کھول دیا تھا، مرزا صاحب کے انزالہ اوہام میں بار بار بارتقیر صریح کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ابن مریم اور دجال کی حقیقت پورے طور پر واضح نہیں ہوئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو صرف اجمالی علم عطا کیا تھا۔

مرزا صاحب وفات مسیح کے بارے میں برابر غور و خوض
حضرت مسیح کشمیر میں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آخر میں ان کی تحقیق یہ ہوئی کہ ان

کا انتقال کشمیر میں ہوا اور وہ وہیں مدفون ہوئے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے حسبِ عادت بُری باریک باتیں پیدا کی ہیں جو ان کی مضمون آفرینی کی دلیل ہیں۔ انھوں نے ثابت کیا ہے کہ کشمیری زبان میں کشمیر کا تلفظ "کشیئر" ہے اور تہہ چلتا ہے کہ یہ لفظ اصل میں عبرانی زبان کا ہے جو دو چیزوں سے مرکب ہے۔ ایک "ش" جو مائت و تثنیہ کے لئے استعمال ہوتا ہے اور ایک "شیر" جس کے معنی عبرانی زبان میں "شام" کے ہیں یعنی شام کی طرح جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فلسطین سے ہندوستان کے اس علاقہ کی طرف ہجرت کی جو اپنی آب و ہوا کی خوبی، موسم کی خوشگوار اور سرسبزی و شادابی میں شام سے بہت مشابہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو تسلی دینے اور ان کا دل خوش کرنے کے لئے اس کا نام "کاشیر" رکھ دیا۔ الف کثرتِ استعمال سے ساقط ہو گیا اور وہ "کشیئر" بن گیا۔ پھر انھوں نے ثابت کیا ہے کہ سری نگر کے محلہ خان یار میں "بودا" کی قبر کے نام سے جو قبر مشہور ہے وہ حضرت مسیح ہی کی قبر ہے جن کو شانہزادہ کے نقشے یاد کیا

جاتا تھا۔ انھوں نے اپنی اس نادر تحقیق کو ثابت کرنے اور بوذا سلف اور اُن کی قبر کو حضرت مسیح کی قبر قرار دینے میں ایسی خیال آرائی اور نکتہ آفرینی سے کام لیا ہے کہ وہ ایک علمی تحقیق سے زیادہ شاعری اور افسانہ نویسی معلوم ہونے لگتی ہے اور مستشرقین جو رائی کو پہاڑ بنانے میں خاص ملکہ رکھتے ہیں اُن کے سامنے گردنظر آنے لگتے ہیں۔

اس مقام پر پہنچ کر مرزا صاحب کے روحانی تجربات اور عادی کی ایک منزل طے ہو جاتی ہے۔ وہ اس منزل پر مسیح موعودؑ ہونے کے مدعی ہیں اور اس کو عقلی و نقلی دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔

فصل سوم

مسیح موعود کے دعویٰ سے نبوت تک

مرزا صاحب کی تصنیفات کا غیر جانبدارانہ مگر ناقدانہ مطالعہ ایک مرتب خاکہ کرنے سے پڑھنے والے کو یہ شبہ ہونے لگتا ہے کہ ان کے اعلانات

اور دعاوی کے تدبیری منازل ایک مرتب اسکیم اور خاکے کے ماتحت ہیں اور انھوں نے ان منزلوں کو طے کرنے اور ان کا اعلان کرنے میں بڑے صبر و تحمل اور احتیاط سے کام لیا۔ وہ

الہام، علم باطنی اور علم یقینی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباعِ کامل کا لازمی نتیجہ اور ایک قدرتی منزل قرار دیتے ہیں جو فنایت فی الرسول کے بعد لازمی طور پر پیش آتی ہے۔ وہ

نبوت اور نبی کا لفظ صاف صاف زبان سے کہے بغیر صفات نبوت اور خصائص نبوت پر گفتگو کرتے ہیں اور یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ صفات افرادِ امت اور گملائے امت کو بطریقِ تبعیت و

وساطت حاصل ہوتی ہیں۔ اس منطق اور ان مقدمات کا طبعی نتیجہ یہی ہوتا چلا ہیے تھا کہ ایک دن مرزا صاحب نبوت کا دعویٰ کر دیں اور اس کی اپنی زبان سے تصریح کر دیں ایسا

معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کے لئے مناسب ماحول اور مناسب تقریب کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ اس کا اطمینان کر لینا چاہتے تھے کہ کیا لوگوں کی عقیدت اور ان کا جذبہ اطاعت اس

درجہ پر پہنچ گیا ہے کہ وہ ان کے دوسرے دعاوی کی طرح اس کو بھی قبول کر لیں گے؟ اعلان اور صراحت بالآخر یہ واقعہ پیش آگیا۔ یہ مسئلہ کی بات ہے۔

مولوی عبدالکریم صاحب نے جو جمعہ کے خطیب تھے، ایک خطبہ جمعہ پڑھا جس میں مرزا صاحب کے لئے نبی اور رسول کے الفاظ استعمال کئے۔ اس خطبہ کو سن کر مولوی سید محمد احسن صاحب امر دہی نے بہت پیچ و تاب کھائے۔ جب یہ بات مولوی عبدالکریم صاحب کو معلوم ہوئی تو پھر انہوں نے ایک خطبہ پڑھا اور اس میں مرزا صاحب کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر میں غلطی کرتا ہوں تو حضور مجھے بتلائیں۔ میں حضور کو نبی اور رسول مانتا ہوں۔ جب جمعہ ہو چکا اور مرزا صاحب جانے لگے تو مولوی صاحب پیچھے سے مرزا صاحب کا کپڑا پکڑ لیا اور درخواست کا کہ اگر میرے اس اعتقاد میں غلطی ہو تو حضور درست فرمائیں۔ مرزا صاحب مرکز کھڑے ہو گئے اور فرمایا، مولوی صاحب ہمارا بھی یہی مذہب اور دعویٰ ہے جو آپ نے بیان کیا۔ یہ خطبہ سن کر مولوی محمد احسن صاحب غصہ میں بھرے واپس آئے اور مسجد کے اوپر ٹہلنے لگے۔ جب مولوی عبدالکریم صاحب واپس آئے، تو مولوی محمد احسن صاحب ان سے لڑنے لگے۔ آواز بہت بلند ہو گئی تو مرزا صاحب مکان سے نکلے اور یہ آیت پڑھی ”یا ایہا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی“

اس طرح مولوی عبدالکریم صاحب کے اعلان خطبہ سے اس نئے دور کا افتتاح ہو گیا اور مرزا صاحب کو معلوم ہو گیا کہ لوگ اتنے راسخ الایمان ہو چکے ہیں کہ وہ ان کے ہر دعوے کو تسلیم کر سکتے ہیں۔ مرزا صاحب کے بڑے صاحبزادے مرزا بشیر الدین محمود نے بڑی خوبی سے اس حقیقت کو ظاہر کیا ہے کہ مرزا صاحب اپنے کوان صفات سے موصوف کرتے تھے جو غیر انبیاء میں پائی ہی نہیں جاسکتیں۔ پھر بھی وہ نبوت کا انکار کرتے تھے لیکن ان کو جب اس

لے ماخوذ از تقریر سید سرور شاہ صاحب قادیانی، جلسہ سالانہ قادیان، مندرجہ اخبار الفضل قادیان
جلد ۱۰، نمبر ۵۱، مورخہ ۳ جنوری ۱۹۷۳ء نیز ملاحظہ ہو حقیقت النبوة صفحہ ۱۲۳

تعداد کا احساس ہوا اور اُن کو یہ اندازہ ہوا کہ ان صفات میں اور ان دعاوی میں جو وہ ابھی تک کرتے رہتے ہیں مطابقت نہیں ہے تو انھوں نے اپنی نبوت کا کھلا اعلان کر دیا۔ مرزا محمود صاحب لکھتے ہیں:-

”خلاصہ کلام یہ کہ حضرت مسیح موعود چونکہ ابتداءً نبی کی تعریف یہ خیال فرماتے تھے کہ نبی وہ ہے جو نئی شریعت لائے یا بعض حکم منسوخ کرے یا ابلا واسطہ نبی ہو۔ اس لئے باوجود اس کے کہ وہ سب شرائط جو نبی کے لئے واقع میں ضروری ہیں آپ میں پائی جاتی تھیں۔ آپ نبی کا نام اختیار کرنے سے انکار کرتے تھے اور گواہان ساری باتوں کا دعویٰ کرتے رہے جن کے پائے جانے سے کوئی شخص نبی ہو جاتا ہے لیکن آپ ان شرائط کو نبی کی شرائط نہیں خیال کرتے تھے بلکہ محدث کے شرائط سمجھتے تھے، اس لئے اپنے آپ کو محدث کہتے رہے اور نہیں جانتے تھے کہ میں دعویٰ کی کیفیت تو وہ بیان کرتا ہوں جو نبیوں کے سوا اور کسی میں پائی نہیں جاتی اور نبی ہونے سے انکار کرتا ہوں لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ جو کیفیت اپنے دعوے کی آپ شروع دعویٰ سے بیان کرتے چلے آئے ہیں وہ کیفیت نبوت ہے ... مذکہ کیفیتِ محدثیت“

تو آپ نے اپنے نبی ہونے کا اعلان کیا ہے۔“

بہر حال خواہ مرزا صاحب کے اتنے عرصے تک صاف صاف دعوائے نبوت نہ کر کی وجہ یہ ہو کہ اُن کے خیال میں نبی کے لئے نئی شریعت لیکر آنا اور بعض احکا

کو نسوخ کرنا اور نبوت کا بلا واسطہ ہونا ضروری تھا، یہاں تک کہ ان کی یہ غلط فہمی دور ہوئی اور خدا نے ان کو اس اعلان پر مامور کیا، یا اس تاخیر کی وجہ یہ تھی کہ ان کے نزدیک ابھی اس کا وقت نہیں آیا تھا اور ان کو اس کے لئے مناسب وقت اور ماحول کا انتظار تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہ بالآخر اس طبعی نتیجہ تک پہنچ گئے جس پر ان کو اپنے ان عاوی کے بعد پہنچنا چاہیے تھا۔

جیسا کہ مرزا بشیر الدین محمود صاحب کا بیان ہے، ۱۹۰۱ء سے **تصریحات اور چیلنج** یہ بات طے ہو گئی اور مرزا صاحب اپنی تصنیفات میں اس کو بصرحت لکھنے لگے۔ ان کے رسائل کا وہ مجموعہ جس کا نام اربعین ہے، ہمنصب جدید کے اعلانات اور تصریحات سے بھرا ہوا ہے۔ مرزا صاحب کی صاف گوئی اور صراحت بڑھتی چلی گئی۔ انھوں نے ۱۹۰۲ء میں ایک رسالہ تحفۃ الندوہ کے نام سے لکھا جس کے مخاطب مجلس ندوۃ العلماء کے ارکان اور وہ تمام علماء تھے جو ندوہ کے اجلاس امرتسر (منفرد ۱۹۰۲ء) میں شرکت کے لئے آئے تھے۔ مرزا صاحب اس رسالہ میں لکھتے ہیں:

”پس جیسا کہ میں نے بار بار بیان کر دیا ہے کہ یہ کلام جو میں سنا تا ہوں یہ قطعی اور یقینی طور پر خدا کا کلام ہے جیسا کہ قرآن اور توریت خدا کا کلام ہے اور میں خدا کا ظلی اور برہنہ طور پر نبی ہوں اور ہر ایک مسلمان کو دینی امور میں میری اطاعت واجب ہے اور ہر ایک جس کو میری تبلیغ

لے مرزا صاحب نے ابتدا میں اپنے قارئین سے وعدہ کیا تھا کہ وہ چالیس کتابچوں میں رسائل لکھیں گے لیکن انھوں نے چار ہجڑوں پر اس سلسلہ کو ختم کر دیا۔ اس کی وجہ خود بیان کرتے ہیں: ”اور حقیقت یہ امر ہو چکا جس کا میں ارادہ کیا تھا اسلئے میں ان رسائل کو صرف چار ہجڑوں ختم کر دیا اور آئندہ شائع نہیں ہوگا جس طرح ہمارے خدا نے عزوجل نے اول پچاس نمازیں فرض کیں پھر تخفیف کر کے پانچ کو بچائے پچاس کے قرار دیدیا۔ اس طرح میں بھی اپنے رب اکرم کی سنت پر ناظر ہو کر اپنے تخفیف تصدیق کے لئے ہرگز کو بچا کر چالیس کے قرار دیتا ہوں۔ (دارعبین صفحہ ۱۲) اٹھ فیض محمدی سے وحی پائے کو مرزا صاحب ظلی نبوت کو تسلیم کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو ”حقیقت الوحی“ صفحہ ۲۸۔ ایک غلطی کا ازالدین مرزا صاحب لکھتے ہیں: وہ اپنی (باقی حاشیہ صفحہ پر)

پہنچ گئی ہے گو وہ مسلمان ہے مگر مجھے اپنا حکم نہیں ٹھیکرانا اور نہ مجھے مسیح موعود ماننا ہے اور میری وحی کو خدا کی طرف سے جانتا ہے وہ آسمان پر قابل مواخذہ ہے کیونکہ جس امر کو اس نے اپنے وقت پر قبول کرنا تھا ارد کر دیا۔ میں صرف یہ نہیں کہتا کہ میں اگر جھوٹا ہوتا تو ہلاک کیا جاتا بلکہ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ موسیٰ اور عیسیٰ اور داؤد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح میں سچا ہوں اور میری تصدیق کے لئے خدا نے دس ہزار سے زیادہ نشان دکھلائے ہیں۔ قرآن نے میری گواہی دی ہے۔ پہلے بتیوں نے میرے آنے کا زمانہ متعین کر دیا ہے کہ جو چہی زمانہ ہے اور قرآن بھی میرے آنے کا زمانہ متعین کرتا ہے کہ جو چہی زمانہ ہے اور میرے لئے آسمان نے بھی گواہی دی ہے اور زمین نے بھی، اور کوئی نبی نہیں جو میرے لئے گواہی نہیں دے چکا۔

اسی طرح حقیقتہ الوحی میں لکھتے ہیں:

”غرض اس حصہ کثیر وحی الہی اور امور غیبیہ میں اس امت سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں گزر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا

(تفسیر حاشیہ صفحہ ۱) ذات سے نہیں بلکہ اپنے نبی کے سر شہ سے لیتا ہے اور نہ اپنے لئے بلکہ اسی کے جلال کے لئے۔ اسی لئے اس کا نام آسمان پر محمد اور احمد ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ محمد کی نبوت آخر محمد ہی کو ملی مگر ہر ذی طور پر مگر نہ کسی اور کو۔ (صفحہ ۵) لے تحفۃ القدود صفحہ ۳۵ یہ عزائم کا محض دعویٰ ہے جو ہر سر تبار کی لافیت اور کوتاہ علمی پر مبنی ہے۔ امت محمدیہ میں اتنی بڑی تعداد میں جو کمال اللہ تعالیٰ کے ہر کسی کو علم نہیں ایسے دو کیا گیا کہ ان سے ہیں جو ہر شے میں فیوض دہانی اور انوارانی اور علوم دہانہ کا نقصان نہ ہو لیکن ایسی کسی نے ہی اس کو وحی الہی کا نام نہیں دیا اور نہ خود کیا

اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں۔“

مرزا صاحب کی تمام مابعد تصنیفات ان تصریحات اور غیر مستتبہ عبارتوں سے لبریز ہیں جن کا اس مختصر کتاب میں استیعاب ممکن نہیں جس کو مزید تفصیل اور تحقیق کی ضرورت ہو اس کو مرزا صاحب کی کتاب حقیقۃ الوحی اور مرزا البشیر الدین کی کتاب حقیقۃ النبوة کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

مرزا صاحب کی تصنیفات یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے نبی مستقل شریعت ہونے کے بھی قائل تھے۔ انھوں نے ”اربعین“ میں تصریح کیا صاحب شریعت نبی کی

تعریف کی ہے کہ جسکی وحی میں امر وہی ہوا اور وہ کوئی قانون مقرر کرے اگرچہ امر وہی کسی نبی سابق کی کتاب میں پہلے آچکے ہیں۔ ان کے نزدیک صاحب شریعت نبی کیلئے اسکی شرط نہیں کہ وہ بالکل جدید احکام لا کر

وہ صاف صاف دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس تعریف کے مطابق صاحب شریعت اور مستقل نبی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”ما سوا اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے؛ جس نے

اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر وہی بیان کئے اور اپنی امت کے لئے ایک

قانون مقرر کیا وہی صاحب شریعت ہو گیا۔ پس اس تعریف کی رو

سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں، کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں

اور نہی بھی مثلاً یہ الہام ”قل للمؤمنین یغضوا من ابصارہم

و یحفظوا فروجہم ذلک ازکی المسح“ یہ براہین احمدیہ میں مع

ہے اور اس میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور اس پر تیس برس کی مدت

بھی گزر گئی اور ایسا ہی اب تک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی

اور اگر کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے جس میں نئے احکام ہوں

لے حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۱

ہوں تو یہ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ان هذا الفی المصنف
الاولیٰ اصحف ابراہیم و موسیٰ یعنی قرآنی تعلیم توریت میں بھی
موجود ہے۔“

بعض اہم قطعی و متواتر احکام شریعت کو پوری صراحت و قوت کے ساتھ
منسوخ و کالعدم کر دینا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنے کو ایسا صاحب شریعت اور
صاحب امر و نہی نبی سمجھتے تھے جو قرآنی شریعت کو منسوخ کر سکتا ہے چنانچہ جہاد جیسے
منصوص قرآنی حکم کو جس پر اُمت کا تعامل اور تواتر ہے اور جس کے متعلق صریح حدیث ہے
”الجهاد ما مضی الی یوم القیامۃ“ کی مانعت کرنا اور اس کو منسوخ قرار دینا اس کا
روشن ثبوت ہے۔ جہاد کی منسوخی و مانعت کے سلسلہ میں یہاں پر صرف ایک اقتباس کافی
ہوگا۔ اربعین نمبر ۷ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں :-

”جہاد یعنی دینی لڑائیوں کی شدت کو خدائے تعالیٰ آہستہ آہستہ کم
کرتا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ کے وقت میں اس قدر شدت تھی کہ ایمان لانا
بھی قتل سے نہیں بچا سکتا تھا اور شیر خوار بچے بھی قتل کئے جاتے تھے۔
پھر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بچوں، بوڑھوں اور عورتوں
کا قتل کرنا حرام کیا گیا۔ اور پھر بعض قوموں کے لئے بجائے ایمان کے صرف
جزیہ دے کر مواخذہ سے نجات پانا قبول کیا گیا اور پھر مسیح موعود کے
وقت قطعاً جہاد کا حکم موقوف کر دیا گیا۔“

۱۷ اربعین نمبر ۷ صفحہ ۷ ۱۷ اربعین نمبر ۷، حاشیہ صفحہ ۱۵، جہاد کی منسوخی اور حرمت متعلق
دافع اور مفصل بیانات باب سوم کی فصل دوم میں ملاحظہ ہوں۔

منکرین نبوت کی تکفیر اور ان کے ساتھ کفار کا سامعہ

دعوائے نبوت کا قدرتی اور منطقی نتیجہ ہے کہ وہ تمام لوگ جو اس جدید نبوت پر ایمان نہیں رکھتے، ان کی تکفیر کی جائے۔ خود مرزا صاحب نے اس کو صرف نبی

تشبیہی ہی کا حق تسلیم کیا ہے کہ اس کے نہ ماننے والوں کی تکفیر کی جائے وہ لکھتے ہیں:-

”یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعویٰ سے انکار کرنے والے

کو کافر کہنا صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں، لیکن صاحب شریعت کے مساو جس قدر ملہم اور محدث ہیں، تو وہ کیسے ہی جناب الہی میں اعلیٰ شان رکھتے ہوں اور خلعت مکام الہیہ سے سرفراز ہوں ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن سکتا۔“

اس کے بعد مرزا صاحب کی تصنیفات ان سب لوگوں کی تکفیر سے جو ان پر ایمان نہیں رکھتے بھری ہوئی ہیں۔ یہاں پر صرف چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔ مرزا صاحب بدین احمدیہ کے حصّہ پنجم میں تحریر فرماتے ہیں:

”انھیں دونوں میں آسمان ایک فرقہ کی بنیاد ڈالی جائے گی اور

خدا اپنے منہ سے اس فرقہ کی حمایت کے لئے ایک کرنا بجائے گا اور اس کرنا کی آواز سے ہر ایک سعید اس فرقہ کی طرف کھنچا آئے گا۔ سب ان لوگوں کے جو شقی ازلی میں جو دوزخ کے بھرنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔“

مرزا صاحب کے الہام میں جو آپ نے ۲۵ مئی ۱۹۰۷ء کو شائع کیا ہے۔ کہا گیا ہے:

”مجھے الہام ہوا ہے کہ جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری

۱۔ تریاق القلوب صفحہ ۱۳۰ حاشیہ ۲۔ براہین احمدیہ حصّہ پنجم صفحہ ۸۲، ۸۳

بیعت میں داخل نہیں ہوگا، وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا

جہنمی ہوگا۔“

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

”خدا نے تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک وہ شخص جس

کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا ہے وہ مسلمان نہیں ہے۔“

حقیقۃ الوحی میں فرماتے ہیں:

”کفر و قسم پر ہے: (اول) ایک یہ کفر کہ ایک شخص اسلام سے ہی

انکار کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔

(دوم) دوسرے یہ کفر کہ وہ مثلاً مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو

باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے جس کے مننے اور سچا جاننے کے بارے

میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے اور پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی تاکید

پائی جاتی ہے۔ پس اس لئے کہ وہ خدا اور رسول کے فرمان کا منکر ہے کافر

سے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں

کیونکہ جو شخص باوجود شناخت کر لینے کے خدا اور رسول کے حکم کو نہیں مانتا

وہ بموجب نصوص صریحہ قرآن و حدیث کے خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا۔“

اور یہی مرکزی قادیانی جماعت کا عقیدہ ہے۔ اس کے امیر و قائد مرزا بشیر الدین محمود صاحب

لے معیار الاخبار صفحہ ۸ (ماخوذ از قادیانی مذہب) ۱۰۰ اند ذکر الحکیم ۲ صفحہ ۲۴ مرتبہ ڈاکٹر عبد الحکیم صاحب۔ منقول از اخبار الفضل مورخہ ۱۵ جنوری ۱۹۳۵ء حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۶۹، ۱۸۰

اپنی کتاب ”آئینہ صداقت“ میں فرماتے ہیں:

”کل مسلمان جو حضرت مسیح موعودؑ کی نبیت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کا نام بھی نہیں سنا وہ کافر اور معاشرۂ اسلام سے خارج ہیں۔“

اس سلسلہ میں خلیفہ بشیر الدین صاحب اور قادیانی جماعت کے ذمہ دار حضرات کی تصریحات کا احاطہ مشکل ہے، اس کے لئے سمرزا بشیر احمد صاحب کی کتاب کلمۃ الفصل کا مطالعہ کافی ہوگا۔ غیر احمدی مسلمانوں کو کافر سمجھنے کی بنیاد پر مستند قادیانی جماعت نے ان پر کفار کے تمام فقہی احکام جاری کیئے۔ چنانچہ قادیانیوں کو مانعت ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ شادی بیاہ کے تعلقات رکھیں۔ مرزا بشیر الدین محمود صاحب نے ایک تقریر میں فرمایا ”حضرت مسیح موعودؑ کا حکم اور زبردست حکم ہے کہ کوئی احمدی غیر احمدی کو اپنی لڑکی نہ دے۔ اس کی تعمیل کرنا بھی ہر ایک احمدی کا فرض ہے۔“ اور انوارِ خلافت میں فرماتے ہیں ”اور اب (مرزا غلام احمد صاحب) سے ایک شخص نے بار بار پوچھا اور کئی قسم کی مجبوریوں کو پیش کیا مگر آپ نے اس کو یہی فرمایا کہ لڑکی کو ٹھائے رکھو لیکن غیر احمدیوں میں نہ دو۔ آپ کی وفات کے بعد اس نے لڑکی غیر احمدیوں کو دے دی تو حضرت خلیفہ اول حکیم نور الدین نے اس کو احمدیوں کی امت سے ہٹا دیا اور جماعت سے خارج کر دیا اور اپنی خلافت کے چھ سالوں میں اس کی توبہ قبول نہ کی۔ باوجودیکہ وہ بار بار توبہ کرتا رہا۔“ ایک جگہ اس حکم کی مزید تفصیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”غیر احمدیوں کی ہمارے مقابلہ میں وہی حیثیت ہے جو قرآن حکیم ایک

ایک مومن کے مقابلہ میں اہل کتاب کی قرار دیکر یہ تعلیم دیتا ہے کہ ایک مومن

لے آئینہ صداقت صفحہ ۳۵ (ماخوذ از قادیانی مذہب) ۲۵ برکات خلافت مجموعۂ تعالیم مرزا بشیر الدین محمود صاحب خلیفہ قادیان صفحہ ۵۷ (ماخوذ از قادیانی مذہب) ۳۵ انوارِ خلافت صفحہ ۹۴، ۹۳

اہل کتاب عورت کو بیاہ لا سکتا ہے مگر مومنہ عورت کو اہل کتاب سے نہیں بیاہ سکتا۔ اسی طرح ایک احمدی غیر احمدی عورت کو اپنے خیار عقد میں لا سکتا ہے مگر احمدی عورت شریعت اسلام کے مطابق غیر احمدی کے نکاح میں نہیں دی جاسکتی۔ حضور درمنا صاحب فرماتے ہیں غیر احمدی کی لڑکی لے لینے میں حرج نہیں ہے۔ کیونکہ اہل کتاب عورتوں سے بھی نکاح جائز ہے بلکہ اس میں توفادہ ہے کہ ایک اور انسان ہدایت پاتا ہے۔ اپنی لڑکی کسی غیر احمدی کو نہیں دینی چاہیئے۔ اگر لے تو بیشک لو۔ لینے میں حرج نہیں دینے میں گناہ ہے۔“

۱۔ اسی طرح سے غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنا ان کے نزدیک درست نہیں۔ خود مرزا صاحب نے اربعین کے حاشیہ میں لکھا ہے :

”اس کلام الہی سے ظاہر ہے کہ تکفیر کرنے والے اور تکذیب کی راہ اختیار کرنے والے ہلاک شدہ قوم ہے۔ اس لئے وہ اس لائق نہیں کہ میری جماعت میں سے کوئی شخص ان کے پیچھے نماز پڑھے۔ کیا زندہ مردے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے؟ پس یاد رکھو جیسا کہ خدا نے مجھے اطلاع دی ہے تمہارے پر حرام ہے..... اور قطعی حرام ہے کہ مکفر اور کذاب یا مرتد کے پیچھے نماز پڑھو۔“

۲۔ اسی طرح سے اُن کو مسلمانوں کی نماز جنازہ پڑھنے کی بھی ممانعت ہے۔ اخبار الفضل (۱۵ دسمبر ۱۹۷۱ء) میں ہے : ”حضرت مرزا صاحب نے اپنے بیٹے (فضل احمد صاحب مرحوم) کا

لے الحکم ۱۴۱ اپریل سنہ ۱۳۹۰ رماخوذ از قادیانی مذہب) ۱۵ اربعین ۱۳۹۰ صفحہ ۳۳ حاشیہ۔

جنازہ اس لئے نہیں پڑھا کہ وہ غیر احمدی تھے۔ میاں بشیر الدین احمد صاحب ایک مکتوب میں جو اخبار الفضل (۳۱ اپریل ۱۹۲۶ء) میں درج ہوا ہے لکھتے ہیں: ”میرا یہ عقیدہ ہے کہ جو لوگ غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں ان کا جنازہ جائز نہیں کیونکہ میرے نزدیک وہ احمدی نہیں ہے۔ انھوں نے یہاں تک فتویٰ دیا ہے کہ غیر احمدی بچے کا بھی جنازہ پڑھنا درست نہیں۔ یہ جس طرح عیسائی بچے کا جنازہ نہیں پڑھا جاسکتا۔ اگرچہ وہ معصوم ہی ہو کہ ہے اسی طرح کسی غیر احمدی بچے کا جنازہ بھی نہیں پڑھا جاسکتا ہے۔ اسی حکم کی تعمیل میں چودھری ظفر اللہ خاں صاحب نے (جو پاکستان کے وزیر خارجہ تھے) بانی پاکستان مشر جناح کے جنازہ میں موجود ہونے کے باوجود شرکت نہیں کی۔

اس عقیدہ کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جو عبادات و فرائض قادیانی سلسلہ میں داخل ہوئے سے پہلے ادا کئے گئے ہیں وہ باطل سمجھے جاتے ہیں اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان سے فرض ادا نہیں ہوا، چنانچہ ایک استفتاء کے جواب میں یہ لکھا گیا کہ ”جس نے اس زمانہ میں حج فرض ادا کیا ہو کہ آپ (مرزا صاحب) کا دعویٰ پوری طرح شائع ہو چکا اور ملک کے لوگوں پر عموماً اتمام حجت کر دیا گیا اور حضور (مرزا صاحب) نے غیر احمدی امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے منع فرمایا تو اس کا حج فرض ادا نہیں ہوتا۔“

مرزا صاحب کی بعض عبارتوں سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ تناسخ عقیدہ متناسخ و حلول | وحلول کے بھی قائل تھے اور ان کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کی روح اور حقیقت ایک دوسرے کے جسم میں ظہور کرتی رہی ہیں۔ تریاق القلوب میں ہے: ”غرض جیسا کہ صوفیوں کے نزدیک مانا گیا ہے کہ مراتب وجود دو ہیں“

لے الفضل جلد ۹ نمبر ۷، لے الفضل قادیان جلد ۱۰، نمبر ۳۲، اخبار المحکم قادیان، مئی ۱۹۳۲ء

ہیں۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے اپنی خواہر طہیت اور دلی مشابہت کے لحاظ سے قریباً اڑھائی ہزار برس اپنی وفات کے بعد پھر عبداللہ پسر عبدالمطلب کے گھر میں جنم لیا اور محمدؐ کے نام سے پکارا گیا۔
ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

”اسی جگہ یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ ہمارے بنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانیت بھی اسلام کے اندرونی مقاصد کے غلبہ کے وقت ہمیشہ ظہور فرماتی رہتی ہے اور حقیقت محمدیہ کا حلول کسی کامل متبع میں جلوہ گر ہوتا ہے اور جو حدیث میں آیا ہے کہ مہدی پیدا ہوگا، اس کا نام میرا ہی نام ہوگا، اس کا خلق میرا ہی خلق ہوگا، اگر یہ حدیثیں صحیح ہیں تو اسی نزول روحانیت کی طرف اشارہ ہے۔“
آئینہ کمالات اسلام میں ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

”میرے پرکشٹغایہ ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ زہرناک ہوا جو عیسائی قوم سے دنیا میں پھیل گئی ہے، حضرت عیسیٰ کو اس کی خبر دی گئی تب اُن کی روح روحانی نزول کے لئے حرکت میں آئی اور اس نے جوش میں آکر اور اپنی امت کو ہلاکت کا مفسدہ پرداز پاکر زمین میں اپنا قائم مقام اور شبیہ چاہو اس کا ہم طبع ہو، گویا وہی ہو۔ سو اُس کو خدا نے تعالیٰ نے وعدہ کے مطابق ایک شبیہ عطا کی اور اس میں مسیح کی ہمت اور سیرت اور روحانیت نازل ہوئی اور اس میں اور مسیح میں بشدت

۱۵ صفحہ ۱۵۵ حاشیہ ۱۵ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۳۳۹ ۱۵ ایضاً

اتصال کیا گیا۔ گویا وہ ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے بنائے گئے اور مسیح کی
توجہات نے اس کے دل کو اپنی قرار گاہ بنایا اور اس میں ہو کر اپنا تقاضا
پورا کرنا چاہا۔ پس ان محنوں سے اس کا وجود مسیح کا وجود ٹھہرا اور مسیح کے
پرجوش ارادات اس میں نازل ہوئے جن کا نزول الہامی استعارات میں
مسیح کا نزول قرار دیا گیا۔

نبی کی دو بعثتیں | مرزا صاحب کا یہ بھی عقیدہ اور اعلان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی دو بعثتیں تھیں۔ یہاں انھیں کے عربی متن و ترجمہ کی دو عبارتیں
نقل کی جاتی ہیں:

واعلم ان نبینا صلی اللہ	اور جان کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ پانچویں
علیہ وسلم کما بعث فی الالف	ہزار میں مبعوث ہوئے ایسا ہی مسیح موعود کی ہزار
الخامس کذا لک بعث فی الاخر	صورت اختیار کر کے چھٹے ہزار کے آخر
الالف السادس باختیادہ بروز المسیح	میں مبعوث ہوئے۔
الموعود،	

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ بعثتِ ثانیہ بعثتِ اولیٰ سے کہیں زیادہ طاقتوں کا مل اور
روشن ہے:

بل الحق ان روحانیتہ علیہ	بلکہ حق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
السلام کان فی اخر الالف السادس	روحانیت چھٹے ہزار کے آخر میں یعنی ان
اعنی فی هذه الايام اشد واقوی	دنوں میں بہ نسبت ان سالوں کے اتنی اور

لے آئینہ کالات صفحہ ۲۵۴، ۲۵۵ لے خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۸۰

واكمل من تلك الاعوام بل
کا البداء الثام :
اور اکمل اور اشدد ہے بلکہ چودھویں رات
کے چاند کی طرح ہے۔

نبوت اور کمالات نبوت کے بارے میں
مرزا صاحب کی احساس برتری |
خاص نفسیاتی کیفیت ہے اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ وہ اول تو اپنے کو تمام انبیاء کا ہم پلہ
اور ہم چشم سمجھتے تھے۔ ”نزول المسیح میں فرماتے ہیں:

آنچه داد است ہر نبی را جام
داد آں جام را مرا بہ تمام

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں:

انبیاء گرچہ بودہ اند بے
من بہ عرفان نہ کمتر ز کسے

پھر اس سے آگے بڑھ کر وہ اپنے کو جامع کمالات انبیاء سمجھتے ہیں۔ اسی کتاب میں فرماتے ہیں:

آدم نیز احمد مختار
در برم جامہ ہمہ ابرار

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں:

زندہ شد ہر نبی بآمدنم
ہر مصلحے نہاں بہ پیر منم

اتنا ہی نہیں بلکہ اُن کا عقیدہ اور اعلان ہے کہ اُن سے نسلِ آدم کی تکمیل ہوئی ہے

۱۔ خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۸۱ ۲۔ صفحہ ۹۹ ۳۔ صفحہ ۹۹ ۴۔ صفحہ ۱۰۰

اور ان کے بغیر یہ گلشنِ انسانیت ناتمام تھا۔ ان کا شعر ہے:

روضہٴ آدم کہ تھا وہ ناکمل اب تک

میرے آنے سے ہوا کابلِ مجملہ برگِ بار

ان کا یہ خیال بھی معلوم ہوتا ہے کہ کمالاتِ نبوت اور کمالاتِ روحانیت کے زمانہ

کی ترقی کے ساتھ ساتھ ترقی کی ہے اور ان کا ظہور آتم ان کی ذات میں ہوا ہے بخطبہ الہامیہ

اسی طرح ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت

فَكَذَلِكَ طَلَعَتْ رُوحَانِيَّةُ

نے پانچویں ہزار میں اجمالی صفات کے ساتھ ظہور

نَبِيِّنَا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْأَلْفِ

فرمایا اور وہ زمانہ اس روحانیت کی ترقی کا انتہائی

الْمَخَاصِصُ بِأَجْمَالِ صِفَاتِهَا وَمَا كَانَ ذَلِكَ

نہ تھا بلکہ اسے کمالات کی معراج کے لئے پہلا قدم

الزَّوْمَانِ مِنْتَهَى تَرْقِيَاتِهَا بِلِ كَانَتْ قَدَمَا

تھا۔ پھر اس روحانیت نے چھٹے ہزار کے

أُولَى الْمَعَارِجِ كَمَا لَا تَهْتَمُّ كَلِمَتٌ وَتَجَلَّتْ

آخر میں یعنی اس وقت پوری طرح سے تجلی فرمائی

تِلْكَ الرُّوحَانِيَّةُ فِي الْآخِرِ الْأَلْفِ السَّلَاسِ

جیسا کہ آدم چھٹے دن کے آخر میں احسن الخالقین

أَعْنَى فِي هَذَا الْحَيَاحِينَ كَمَا خَلَقَ آدَمَ فِي

خدا کے اذن سے پیدا ہوا اور خیر الرسل

أَخِرِ الْيَوْمِ السَّادِسِ بِإِذْنِ اللَّهِ أَحْسَنَ

کی روحانیت نے اپنے ظہورِ کمال کے

الْخَالِقِينَ وَاتَّخَذَتْ رُوحَانِيَّةُ نَبِيِّنَا

لئے اور اپنے نور کے غلبہ کے لئے ایک مظہر

خَيْرُ الرُّسُلِ مَنْظَرًا مِنْ أَمْتِهِ لَتَبْلُغَ

اختیار کیا، جیسا کہ خدا تعالیٰ نے کتاب

كَمَالِ ظُهُورِهَا وَغَلَبَةِ نُورِهَا كَمَا كَانَ

مبین میں وعدہ فرمایا تھا۔ پس میں وہی مظہر

وَعَدَ اللَّهُ فِي الْكُتُبِ الْمُبِينِ فَإِنَّ ذَلِكَ

ہوں، وہی نورِ مہرود ہوں۔

الْمُظْهِرُ الْمَوْعُودِ وَالنُّورُ الْمَعْرُودُ۔

۱۔ ہدایہ احمدیہ، حصہ پنجم، صفحہ ۱۱۳ ۲۔ خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۷۷، ۱۷۸

اعجاز احمدی میں تو انھوں نے اپنے معجزات و آیات کو معجزہ نبوی پر ترجیح دینے کی کوشش بھی کی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

لہ نخسف القمر المنیر واثالی

غسا القمران المشرقان اتمنکر

اور خود ہی اس کا ترجمہ کیا ہے ”اور اُس کے لئے چاند کے خسوف کا نشان ظاہر ہوا اور میرے لئے چاند و سورج دونوں کا، اب کیا تو انکار کرے گا۔“

مرزا صاحب کے یہ ارشادات اس بات کے لئے کافی تھے کہ ان کے غالی عقیدہ تمند اور ان کے جانشین اس پر ایک بلند عمارت تعمیر کر لیں جیسا کہ فرقہ دناہب کی تاریخ میں ہمیشہ پیش آتا ہے۔ چنانچہ ان کے بہت سے متبعین ان کو اکثر دنیا پر صراحت کے ساتھ فضیلت دینے لگے۔ خود مرزا بشیر الدین محمود صاحب نے حقیقۃ النبوت میں لکھا ہے:

”دنیا میں بہت سے نبی گزرے ہیں مگر اُن کے شاگرد محدثیت کے درجہ سے آگے نہیں بڑھے سوائے ہمارے نبی علیہ السلام کے جو اس کے فیضان نے اس قدر وسعت اختیار کی کہ اس کے شاگردوں میں سے علاوہ بہت سے محدثوں کے ایک نے نبوت کا بھی درجہ پایا اور نہ صرف یہ کہ سنی بنا بلکہ اپنے مطاع کے کمالات کو ظنی طور پر حاصل کر کے بعض اولوالعزم نبیوں سے بھی آگے نکل گیا۔“

مرزا بشیر الدین محمود صاحب کے پر جوش متبعین نے اس بات کو اور بھی آگے آگے بڑھا دیا۔ الفضل قادیان (جلد ۱۴ نمبر ۸۵) میں ہے:

لہ اعجاز احمدی صفحہ ۱، ۲۵۷ حقیقۃ النبوة صفحہ ۲۵۷

”حضرت مسیح موعود علیہ السلام نبی تھے۔ آپ کا درجہ مقام کے لحاظ سے
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شاگرد اور آپ کا خلیفہ ہوا تھا۔ دیگر انبیاء
علیہم السلام میں سے بہتوں سے آپ بڑے تھے۔ ممکن ہے سب
سے بڑے ہوں۔“

002679

۱۷ مئی ۲۰۱۹ء (ماہِ خزاں قادیانی مذہب)

باب سوم مرزا صاحب کی سیرت و زندگی پر ایک نظر

فصل اول

دعوت کے فروغ اور رجوع عام کے بعد مرزا صاحب کی زندگی

مرزا غلام احمد صاحب نے اپنی زندگی عُشرتِ غوثیت | مرزا صاحب کا ابتدائی زمانہ
کے ساتھ شروع کی تھی۔ زمینداری کا بڑا حصہ نکل چکا

تھا۔ آمدنی کا کوئی اور ذریعہ نہ تھا۔ وہ خود اس دوسرے متعلق لکھتے ہیں:

”مجھے صرف اپنے دسترخوان اور روٹی کی فکر تھی“

وہ پچیس برس سے گناہی اور غربت کی زندگی گزار رہے تھے۔ انھوں نے اس زمانہ
کی غربت و گناہی کی خود تصویر کھینچی ہے۔ وہ کہتے ہیں:-

”اس زمانہ میں درحقیقت میں اس مُردہ کی طرح تھا جو قبر میں صد سال

سے مدفون ہوا اور کوئی نہ جانتا ہو یہ کس کی قبر ہے؟“

یہ حالت اس وقت تک رہی کہ مرزا صاحب ایک مصنف اور اسلام کے وکیل کی حیثیت

سے ملک کے سامنے آئے پھر انھوں نے ایک مبلغ اور روحانی پیشوا کی حیثیت سے شہرت

حاصل کی پھر انھوں نے مسیح موعود اور آخر میں ”مستقل پیغمبر کی حیثیت اختیار کی۔ اس وقت

حالات میں بڑا انقلاب ہوا۔ اب وہ ایک ترقی پذیر فرقہ اور ایک آسودہ حال طبقہ کے روحانی

پیشوا اور مقتدائے اعظم تھے ہر طرف سے تحائف، ہندروں اور پیشکشوں کا دریا اُسند رہا تھا

لے نزول المسیح طبع اولیٰ صفحہ ۱۱۸ ۲۱۰ تہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۸

اور وہ ہزاروں آدمیوں کی روحانی عقیدت اور خلوص و محبت کا مرکز تھے، ظاہر ہے کہ یہ ساری دولت فارغ البالی و خوش حالی ایک دینی دعوت اور تحریک کے راستہ سے آئی تھی اور ایک دینی جذبہ ہی لوگوں کے ایشار اور مرزا صاحب کی مالی خدمت کا محرک تھا۔ ایک مورخ اور سوانح نگار اور ایک نقاد اس موقع پر یہ دیکھے گا کہ اس انقلابِ حال نے مرزا صاحب کی زندگی اور اُن کے رویہ میں کیا تبدیلی پیدا کی مرزا صاحب ایک بڑی دینی دعوت لے کر اور ایک بہت بڑے دعوے اور اعلان کے ساتھ (جس سے بڑا دعویٰ اور اعلان مذہب کی اصطلاحات اور زبان میں ممکن نہیں) کھڑے ہوئے تھے، اس لئے یہ بات دیکھنے کی ہے کہ اُن کی زندگی کو اس دعوت اور دعوے سے کیا مطابقت اور مناسبت ہے سرورِ عالم سید الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیاتِ طیبہ سے موازنہ کرنا اور اس سلسلہ میں آپ کا نام نامی بیچ میں لانا تو سوراہا اور مذاقِ سلیم پر بھی یاد دہاکر کہ یہ وہ بارگاہِ قدس ہے کہ

نفسِ گم کردہ می آید جُسیّد و بایزید اینجا

لیکن امتِ محمدی کے اُن افراد کی زندگی سے موازنہ یہاں نہ ہوگا جو کسی دینی تحریک و دعوت کے علمبردار اور اپنے زمانہ کے مقتدا اور روحانی پیشوا تھے۔

اسلام کی تاریخ دعوت و تبلیغ

حالیہ دعوت اور دینی روحانی شخصیتوں کا طرزِ عمل

کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے

کہ جو لوگ اپنے زمانہ میں دینی دعوت و اصلاح کے علمبردار تھے اور جنہوں نے اپنے لئے اتباعِ نبویؐ کا راستہ اختیار کیا اور جن کو خدا نے خلاوتِ ایمانی سے شاد کام کیا ان کو جس قدر مرجعیت حاصل ہوئی اور جس قدر اُن کے لئے فارغ البالی اور آسودہ زندگی کے اسباب مہیا ہوئے، اسی قدر اُن میں اُہد کا جذبہ، ایشار و قناعت کا جوش و امارت و امارتِ دُشت

اور آخرت کا شوق بڑھا۔ ان کی ساری زندگی اس اصول و یقین کے ماتحت تھی کہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے، اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ دینی اور روحانی شخصیتوں کی تاریخ میں ہر جگہ یہی نظر آتا ہے کہ وہ اس دنیا میں مسافرانہ گزر کرتے تھے اور ان کے سامنے ہمیشہ یہی ارشاد نبوی رہتا تھا۔

مالی و اللہ دنیا و ما انا و اللہ دنیا مجھے دنیا سے کیا سروکار، میری مثال تو ایسے
الاکواکب استظل تحت شجرة ثم سوار کی سی ہے جس نے کچھ دیر ایک درخت
راح و ترکھا (احمد ترمذی، ابن ماجہ) کے سایہ میں آرام لیا، پھر اٹھا اور چھوڑ کر چل دیا
ان کی کیفیت وہ رہتی تھی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک رفیق نے ان کی
تعلیف کرتے ہوئے بیان کی ہے :

یَسْتَوْحِشُ مِنَ الدُّنْيَا وَ ذَوِّهَا دُنیا اور بہار دنیا سے ان کو وحشت ہوتی، رات
وَيَسْتَأْنِسُ بِاللَّيْلِ وَ ظُلُمَتِهِ كَأَنَّ اللَّهَ کی تاریکی میں ان کا دل لگتا تھا، آنکھیں میچا کر
عَزِيزُ الدُّمُوعَةِ طَوِيلُ الْفِكْرِ يَقْلِبُ ہر وقت فکر و غم میں ڈوبے ہوئے، رفتار زمانہ
كَفَّهُ وَيُخَاطِبُ نَفْسَهُ يُعْجِبُهُ مِنْ پرستعجب، نفس سے ہر وقت مخاطب، اکپڑا
النَّاسِ مَا خَشَنَ وَمِنْ الطَّعَامِ وہ مرغوب جو معمولی اور موٹا جھوٹا ہو۔ غذا
مَا حَبَشَبُ (صِفَةُ الشُّفُقَةِ) وہ مرغوب جو غریبانہ اور سادہ ہو۔

اولیائے متعدین اور اسلام کی جلیل القدر روحانی شخصیتوں کا یہاں ذکر نہیں۔
حضرت عمر بن عبدالعزیز کا بھی یہاں تذکرہ نہیں کہ وہ بھی ایک خلیفہ راشد تھے۔ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں ایسے صاحب شوکت و عظمت سلاطین گزرے ہیں
جن کا زہر و نقشف، جفا کشی، احتیاط و ورع، قبائے شاہی میں فقری و درویشی اور

تحت سلطنت پر پوری نشینی آج بھی تاریخ میں یادگار اور انسانیت کے لئے سرمایۂ افتخار ہے۔ نور الدین زنگی، صلاح الدین ایوبی، ناصر الدین محمود، مظفر علیہ اور سلطان اورنگزیب عالمگیر نے جس طرح کی زندگی گذاری، وہ زہد و درویشی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ خود مرزا صاحب کے زمانہ میں ایسے داعی الی اللہ علمائے ربانی اور مشائخ طریقت موجود تھے جو دوسرے پر رات گزارنے کو گناہ سمجھتے تھے اور جو کچھ ان کے پاس آتا تھا وہ فقر اور اہل حاجت میں تقسیم کر دیتے تھے جیسا کہ حال یہ تھا کہ جس قدر آسودگی کے اسباب زیادہ ہوتے تھے اور جس قدر لوگوں کا رجوع ان کی طرف بڑھتا تھا، جس قدر تحائف و ہدایا کی بارش ہوتی تھی، اسی قدر ان کا استغناء اور بڑھتی کرتا تھا۔ مرزا صاحب ہی کے زمانہ میں مولانا فضل الرحمن گجرات آبادی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا سید عبداللہ غزنوی، مولانا محمد نعیم فاضل محلّی جیسے حضرات موجود تھے جنہوں نے فقر محمدی کا ایک نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔

صدق نبوت کی ایک دلیل | ایسی زائد از زندگی جس میں اول سے آخر تک کوئی تفاوت نہ ہو، عزت و امارت کے زمانہ میں یکساں طور پر عمل اور دولت دنیا سے بے تعلقی و بے اثری خود مرزا صاحب کے نزدیک نبوت محمدی کی صداقت کی ایک دلیل ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اور پھر جب مدت مدید کے بعد غلبہ اسلام کا ہوا تو ان دولت اقبال

کے دنوں میں کوئی خزانہ اکٹھا نہ کیا۔ کوئی عمارت نہ بنائی۔ کوئی یادگار تیار نہ

۱۔ سلطان کے سوا خگارا داران کے معتد خاص قاضی ابی شداو لکھتے ہیں کہ سلطان نے اپنے ترک میں صرف ہم دہم چھوڑ دیے۔ کوئی ملک، مکان، جائیداد، باغ، گلاں، زراعت نہیں چھوڑی۔ ان کی تجزیہ و تکفین میں ایک پیسہ بھی ان کی میراث میں نہیں ہوا۔ سلامان قرض سے کیا گیا۔ یہاں تک کہ قبر کے لئے گھاس کے پونے بھی قرض سے آئے۔ کفن کا انتظام ان کے وزیر و کاتب قاضی فاضل نے کسی جائز و حلال ذریعہ سے کیا۔ اور یہ اس سلطان کا حال ہے جس کے قبور میں شاہ، ہمر، سوان عراق و حجاز اور مشرق وسطیٰ کا پورا علاقہ تھا۔ اسے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نہایت مختصر اور جلد ہشتم۔

ہوئی۔ کھٹا سلمان شہلاہ عیش و عشرت تجویز نہ کیا گیا۔ کوئی اور ذاتی نفع نہ
 اٹھایا بلکہ جو کچھ آیا وہ سب یتیموں اور مسکینوں اور بیوہ عورتوں اور
 مفروضوں کی خبر گیری میں خرچ ہوتا رہا۔ اور کبھی ایک وقت بھی سیر ہو کر
 گھانا نہ کھایا (حصہ ۲۵)

اب ہم اس معیار کو سامنے رکھ کر جو خود مرزا صاحب نے ہم
 دین کا داعی یا سیاسی قائد؟ کو دیا ہے اور جو مزاج نبوت کے عین مطابق ہے ہم خود
 مرزا صاحب کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ہم کو اس مطالعہ میں نظر آتا ہے کہ جب ان کی تحریک
 پھیل گئی اور وہ ایک بڑے فرقہ کے روحانی پیشوا اور اس کی عقیدوں اور فیاضانہ اولو العزیزوں
 کا مرکز بن گئے تو ان کی ابتدائی اور اس آخری زندگی میں بڑا فرق نکلیں ہوا۔ ہمیں اس موقع پر ان
 کے حالات دین کے داعیوں اور مبلغوں اور دوس گاہِ نبوت کے فیض یافتہ نفوس قدسیہ سے انگ
 سیاسی قائدین اور غیر دینی تحریکوں کے بانیوں سے ملنے جلتے نظر آتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ چیز ان کے
 مخلص و مقرب ساتھیوں کے لئے بھی اضطراب کا باعث ہوئی اور دل کی بات زبان پر آنے لگی۔
 مرزا صاحب کی خانگی زندگی جس ترقی اور جیسے تجمل اور تنعم
 مرزا صاحب کی خانگی زندگی کی تھی وہ راسخ الاعتقاد قبیض کے لئے بھی ایک شہادہ اور

اعتراض کا موجب بن گئی تھی۔ خواجہ کمال الدین صاحب نے ایک روز اپنے مخصوص دوستوں کے
 سامنے اس بات کا ذکر کیا کہ ان کے گھر کی جو بیبیاں مرزا صاحب کے گھر کی رہائش اور معیاد زندگی دیکھ
 چکی ہیں وہ کسی طرح سے ایشاد و قناعت اور سلسلہ کی اشاعت و ترقی کے لئے اپنی ضرورتوں سے
 پس انداز کر کے روپیہ بچھنے کے لئے تیار نہیں۔ انھوں نے ایک مرتبہ مولوی محمد علی صاحب دایر
 جماعت احمدیہ (لاہور) اور قادیانی جماعت کے مشہور عالم مولوی سرود شاہ صاحب قادیانی سے کہا:

”میرا ایک سوال ہے جس کا جواب مجھے نہیں آتا۔ میں اسے پیش کرتا ہوں۔ آپ اس کا جواب دیں۔ پہلے ہم اپنی عورتوں کو یہ کہہ کر کہ انبیاء و صحابہ والی زندگی اختیار کرنی چاہیے کہ وہ کم و خشک کھاتے اور خوش پہنتے تھے اور باقی بچا کر اللہ کی راہ میں دیا کرتے تھے، اسی طرح ہم کو بھی کرنا چاہیے غرض ایسے وعظ کر کے کچھ روپیہ بچاتے تھے اور پھر وہ قادیان بھیجتے تھے، لیکن جب ہماری بیبیاں خود قادیان گئیں وہاں پر رہ کر اچھی طرح وہاں کا حال معلوم کیا تو واپس آکر ہمارے سر پر چڑھ گئیں کہ تم قادیان جھوٹے ہو۔ ہم نے تو قادیان میں جا کر خود انبیاء و صحابہ کی زندگی کو دیکھ لیا ہے۔ جس قدر آرام کی زندگی اور تعیش وہاں پر عورتوں کو حاصل ہے اس کا عشرِ عشر بھی باہر نہیں۔ حالانکہ ہمارا روپیہ کیا ہوا ہوتا ہے اور ان کے پاس جو روپیہ جاتا ہے وہ قومی اغراض کے لئے قومی روپیہ ہوتا ہے۔ لہذا تم جھوٹے ہو جو جھوٹ بول کر اس عرصہ دراز تک ہم کو دھوکا دیتے رہے۔ اور آئندہ ہرگز ہم تمہارے دھوکے میں نہ آویں گی۔ پس وہ اب ہم کو روپیہ نہیں دیتیں کہ ہم قادیان بھیجیں۔“

خواجہ صاحب نے یہ بھی فرمایا:

”ایک جواب تم لوگوں کو دیا کرتے ہو پھر تمہارا وہ جواب میرے آگے نہیں چل سکتا کیونکہ میں خود واقف ہوں۔“

اور پھر بعض زیورات اور بعض کپڑوں کی خرید کا مفصل ذکر کیا۔

لے کشف الاختلاف از سردر شاہ قادیانی صفحہ ۱۳ (ماخوذ از قادیانی مذہب)

معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے زمانہ میں ان کی نگرانی میں لنگر کا جو انتظام مالی اعتراضات تھا اس سے بہت سے مخلصین مطمئن نہیں تھے۔ اُن کے نزدیک اس میں بہت سی بے عنوانیاں ہوتی تھیں۔ اس بحث نے بہت طول کھینچا۔ معترضین میں خواجہ کمال الدین پیش پیش تھے اور مولوی محمد علی صاحب بھی ان کے مؤید تھے۔ خواجہ کمال الدین صاحب نے ایک موقع پر مولوی محمد علی صاحب سے فرمایا۔

”یہ کیسے غضب کی بات ہے کہ آپ جانتے ہیں کہ قوم کا روپیہ کس محنت سے جمع ہوتا ہے اور جن اغراض قومی کے لئے روپیہ دیتے ہیں وہ روپیہ ان اغراض میں صرف نہیں ہوتا بلکہ بجائے اس کے شخصی خواہشات میں صرف ہوتا ہے اور پھر وہ روپیہ بھی اس قدر کثیر ہے کہ اس وقت جس قدر قومی کام آپ نے شروع کئے ہوئے ہیں اور روپیہ کی کمی کی وجہ سے پورے نہیں ہو سکے اور ناقص حالت میں پڑے ہوئے ہیں اگر یہ لنگر کا روپیہ اچھی طرح سے سنبھالا جائے تو اکیلے اسی سے وہ سارے کام پورے ہو سکتے ہیں۔“

یہ اعتراضات مرزا صاحب کے کان تک بھی پہنچے اور انھوں نے اس پر بڑی ناگواری و نالاغی کا اظہار کیا۔ مولوی سرور شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

مجھے پختہ ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہت اظہارِ بدخ فرمایا ہے کہ باوجود میرے بتانے کے کہ خدا کا منشا یہی ہے کہ میرے وقت میں لنگر کا انتظام میرے ہی ہاتھ میں رہے اور اگر اس کے

خلاف ہوا تو لنگر بند ہو جائے گا۔ مگر یہ خواجہ وغیرہ ایسے ہیں کہ بار بار مجھے کہتے ہیں کہ لنگر کا انتظام ہمارے سپرد کر دو اور مجھ پر بدظنی کرتے ہیں۔^۱ خود مرزا صاحب نے اپنے انتقال سے کچھ پہلے اس مالی الزام کا تذکرہ اور اس پر اپنے رنج و ملال کا اظہار کیا۔ مرزا بشیر الدین صاحب مولوی حکیم نور الدین صاحب کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

”حضرت صاحب نے اپنی وفات سے پہلے جس دن وفات ہوئی اس دن بیماری سے کچھ ہی پہلے کہا کہ خواجہ (کمال الدین) صاحب اور مولوی محمد علی صاحب وغیرہ مجھ پر بدظنی کرتے ہیں کہ میں قوم کا روپیہ کھا جاتا ہوں۔ ان کو ایسا نہ کرنا چاہیئے تھا ورنہ انجام اچھا نہ ہوگا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ آج خواجہ صاحب مولوی محمد علی صاحب کا ایک خط لیکر کرائے اور کہا کہ مولوی محمد علی نے لکھا ہے کہ لنگر کا خرچ تو تھوڑا سا ہوتا ہے باقی ہزار روپے پیسہ جو آتا ہے وہ کہاں جاتا ہے اور گھر میں آکر آپ نے بہت غصہ ظاہر کیا، کہا کہ لوگ ہم کو حرام خوردہ سمجھتے ہیں۔ ان کو اس روپیہ سے کیا تعلق اگر آج میں الگ ہو جاؤں تو سب آمدن بند ہو جائے۔“

پھر خواجہ صاحب نے ایک ڈیپوٹیشن کے موقع پر جو عمارت مدرسہ کاچندہ لینے گیا تھا، مولوی محمد علی سے کہا کہ حضرت (مرزا) صاحب آپ تو خوب عیش و آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں اور میں یہ تعلیم دیتے ہیں کہ اپنے خراج کھٹا کر بھی چندہ دو، جس کا جواب مولوی محمد علی نے یہ دیا کہ ہاں اس کا انکار تو

۱۔ کشف الاختلاف، صفحہ ۱۵۱

نہیں ہو سکتا، لیکن بشریت ہے، کیا ضرور کہ ہم نبی کی بشریت کی پڑی کریں۔

آمدنی کے نئے نئے ذرائع | مرزا صاحب ہی کی زندگی میں قادیان کے ”بہشتی مقبرہ“ میں جگہ پانے کے لئے جو شرائط وضع کی گئیں اور ایک

قبر کی جگہ کے لئے جو گراں قدر قیمت اور نذرانہ رکھا گیا اور اس کا جس ترغیب فلتشوق کے ساتھ اعلان کیا گیا اس نے قرون وسطیٰ کے ارباب کلیسا کے پروانہ غفران ”کے بیج و شرار اور جنت کی قبائرش کی یاد تازہ کر دی اور مرکز قادیان کے لئے آمدنی کا ایک وسیع و مستقل سلسلہ شروع ہو گیا اور وہ رفتہ رفتہ سلسلہ قادیانیت کا ایک عظیم محکمہ بن گیا۔ قادیان کے ترجمان ”افضل“ نے اپنی ایک اشاعت میں صحیح لکھا ہے کہ :

”مقبرہ بہشتی اس سلسلہ کا ایک ایسا مرکزی نقطہ ہے اور ایسا

عظیم اشان انٹرنیشنل یعنی محکمہ ہے جس کی اہمیت ہر دوسرے محکمہ سے بڑھ کر ہے۔“

اس سارے آغاز کا انجام یہ ہوا کہ تحریک قادیان اور ربوہ کی دینی ریاست | قادیانیت کا مرکز قادیان اور تقسیم ہند

کے بعد سے اس کا جانشین ربوہ ایک اہم دینی ریاست بن گیا جس میں قادیان کے ”خاندان نبوت“ اور اسکے صدر نشین مرزا بشیر الدین محمود کو امارت و ریاست کے وہ سب لوازم، ایک مذہبی آمر اور مطلق العنان فرماں روا کے سب اختیارات اور خوش باشی و

لہ مرزا بشیر الدین محمود صاحب کا خط بنام مولوی حکیم نور الدین صاحب غلیفہ اول مندرجہ حقیقت لاف و مبالغہ مولوی محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور صفحہ ۵۰۔ ہم نے مالی اعتراضات کے سلسلہ میں صرف

مخصوص و معتد اہل تعلق کے بیانات پر اکتفا کیا ہے ورنہ ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب کی کتاب الذکر الحکیم وغیرہ میں اس سلسلہ کا بہت مواد موجود ہے۔ ۲۰ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مرزا صاحب کا رسالہ ”الوصیت“ صفحہ ۲۳ تا ۲۴ ۲۵ افضل قادیان جلد ۲۲، نمبر ۶۵۔ مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۹۳۶ء

عیش و کوشی کے وہ سب مواقع مہیا ہیں جو اس زمانہ میں کسی بڑے سے بڑے انسان کو مہیا ہو سکتے ہیں۔ اس دینی و دنیوی مرکز کی اندرونی زندگی اور اس کے امیر کی اخلاقی حالت حسن بن صباح باطنی کے قلعہ الموت کی یاد تازہ کرتی ہے جو پانچویں صدی ہجری میں مذہبی استبداد اور عیش و عشرت کا ایک پراسرار مرکز تھا۔

لے ملاحظہ فرمادہ محکم صاحب کی کتاب ”دور حاضر کا مذہبی آمر“

فصل دوم

انگریزی حکومت کی تائید و حمایت و جہاد کی ممانعت

برطانیہ عظمیٰ اور عالم اسلام | اسیسویں صدی کے آغاز میں عالم اسلام پر یورپ کے حملے شروع ہو چکے تھے اور اس نے ممالک اسلامیہ کو

اپنے اثر و اقتدار میں لے لیا تھا۔ یورپ کی اس مشرقی ترک تاز میں برطانیہ عظمیٰ پیش پیش اور مشرق میں مغربی پیش قدمیوں اور سیاسی و مادی سیادت کا علمبردار و نقیب تھا۔ ہندوستان اور مصر اس کے زیر اقتدار تھے۔ دولت عثمانیہ اس کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کا ہدف اور جزیرۃ العرب اس کی ہوس اقتدار سے ہر وقت خطرہ میں تھا۔

ہندوستان پر ۱۸۵۷ء سے پہلے ہی عملاً انگریزی تسلط قائم ہو چکا تھا۔ شاہجہان و اورنگزیب کے جانشین انگریزوں کے وظیفہ خوار اور سیاسی طور پر مغلوج ہو کر رہ گئے تھے انگریز ملک کی باطنی سیاست کے اصل شاطر اور سیاہ و سپید کے مالک تھے۔ ۱۹۹۹ء میں ہندوستان کے مرد جاہل و بیوقوف سلطان نے میدان کارزار میں شہادت کے سرخروئی حاصل کی اور انگریزوں کے حق میں ملک کا سیاسی مطلع بالکل صاف ہو گیا۔ سلطنت کے استحکام پر اعتماد کر کے پادریوں نے مسیحیت کی صاف صاف تبلیغ شروع کی۔ اس تبلیغ کا نشاۃ قدر قریباً ۱۹۹۹ء پر زیادہ تر مسلمان تھے جن سے براہ راست ملک حاصل کیا گیا تھا۔ تعلیمات اسلام اور اصول اسلام

کا مفہم کہ اڑایا جانے لگا۔ ملک میں اخلاقی و اجتماعی انتشار و بد نظمی کا دور دورہ ہوا۔ اسلام کی اجتماعی زندگی کی بنیادیں تزلزل میں آگئیں۔ مغربی تہذیب نے مسلمانوں کے گھروں اور ان کے دل و دماغ پر چھاپہ مارا۔ نوجوان اور تعلیم یافتہ طبقہ میں الحاد فلیش کے طور پر شروع ہوا۔ اس سب کے ردِ عمل میں ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ ظہور میں آیا جس میں علمِ قیادت مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا جیسا سب کو معلوم ہے، انگریز اس معرکہ میں کامیاب ہوئے اور یہ ملک ایسٹ انڈیا کمپنی کے انتظام سے نکل کر براہِ راست، کیج برطانیہ کے ماتحت ہو گیا۔ نیم خوردہ فاتحین نے ہنگامہ سے اصل ذمہ دار ”باغی مسلمانوں“ سے سخت انتقام لیا۔ انھوں نے ان کو بے عزت کیا۔ ان کے علماء و صلحاء اور رؤسا و شرفاء کو پھانسیوں پر چڑھایا۔ اسلامی اوقاف ضبط کر لئے، شریفانہ ملازمت کے دعوائے ان پر بند کر دیئے۔ ملک کے نظم و نسق سے ان کو کلیتہً بے دخل کر دیا۔ وہ ایک شکست خوردہ قوم کے ذیل افراد بن کر رہ گئے اور اس ملک میں قرآن کی اس ابدی حقیقت کی تفسیر و تصویر نظر آتی ہے۔

إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا حَضَرُوا الْقُرْيَةَ
أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعْرَاقَ أَهْلِهَا
أَذِلَّةً ط (رَاسِبًا)

بے شک بادشاہ و فاتح جب کسی بستی میں فاتحانہ داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ کر دیتے ہیں اور اسکے معزز ترین شہریوں کو ذلیل و خوار کر دیتے ہیں۔

انگریز اس ملک میں محض ناخدا ترس فرمانروا اور جابرِ حاکم نہ تھے، بلکہ وہ ایک ایسی تہذیب کے علمبردار تھے جو اس ملک میں فساد و الحاد اور اخلاقی انتشار کا سرچشمہ تھی۔ وہ عللاً ان تمام اقدارِ حیات کے مُنکر اور ان اخلاقی و دینی معیاروں سے منحرف تھے جن پر اسلام کے اخلاقی و اجتماعی نظام کی بنیاد ہے۔ وہ ایک جرائم پیشہ قوم تھے جس کی تاریخِ عالم

لے تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمادیں مہتر کی کتاب OUR INDIAN MUSSALMANS اور سر سید کی ”اسبابِ فساد“

اسلام پر مظالم اور سیاسی جرائم سے داغ داغ ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور ان کے جانشینوں
انبیاء اور ان کے جانشینوں کا طرز عمل اور پیروؤں کی جو کچھ تاریخ اور سیرت

دنیا میں محفوظ ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ ظالموں اور مجرموں کے حریف
اور مد مقابل رہے ہیں اور انھوں نے ہمیشہ ہر ایسی بات سے احتراز کیا ہے جس سے ان کی
تائید و اعاد ہوتی ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ مقولہ قرآن مجید میں منقول ہے :

رَبِّ بِمَا أَعْمَمْتُ عَلَىٰ قَلْبٍ
آكُونُ ظَهِيرًا لِّلْمُجْرِمِينَ (سورہ قصص)

اے رب جیسا تو نے مجھ پر فضل کیا پھر میں
کبھی گنہگاروں اور مجرموں کا مدد گار نہ ہوں گا۔
کفر و ظلم اور اسکے علمبرداروں کے خلاف ان کے دل میں جو جذبہ اور غصہ تھا، اس
کا اظہار ان کی مشہور دعا سے ہوتا ہے جو انھوں نے فرعون وقت اور اس کے ارکان سلطنت
کے خلاف کی تھی۔

رَبِّ اِنَّكَ اَنْتَ فَرَعَوْنُ
وَمَلَائِكُ نَرِيْنَةُ وَاَمْوَالِیْ الْحٰیوَةِ
الدُّنْیَا رَبَّنَا اِیْضَلُوْا عَنَّا سَبِيْلَكَ رَبَّنَا
اَطْمِسْ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ وَاَشْدُدْ عَلٰی
قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُوْثِقُوْا حَتٰی یُرَوُّوْا
الْعَذَابَ لَا اَکْبِرُہٗ

اے رب ہمارے تو نے فرعون کا اور اس کے
سربراہوں کو دنیا کی زندگی میں رونق اور مال
دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ یہ تیرے راستے
سے ہٹ جائیں گے۔ اے رب ان کی دولت پر
بھار دے پھر دے اور ان کے دل کو سخت کر دے
کہ جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں اپنی لاپرواہی۔

خود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا:

وَلَا تَرْکَبُوْا اِلَی الَّذِیْنَ
ظَلَمُوْا فَتَحْسَبُوْا الدَّارَ وَاَنْتُمْ

اور مت جھکنا ان کی طرف جو ظالم
ہیں پھر تم کو لگے گی آگ اور اللہ کے

مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أُولَئِكَ لَمْ
لَا تَنْصُرُونَهُ (سورہ ہود، رکوع ۱۰) نہ پاؤ گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے :
أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ جہاد کی اعلیٰ ترین قسم ظالم بادشاہ کے
عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِدٍ سامنے حق بات کہنا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ان کے سچے جانشینوں نے کسی جابر حکومت
اور کسی باطل طاقت کے ساتھ کبھی تعاون نہیں کیا اور ان کی زبان کبھی اس کی تعریف یا تائید
لموٹ نہیں ہوئی۔ اسلام کی تاریخ دعوت و عمریت سلاطین وقت کے سامنے کلمہ حق کہنے
کے واقعات اور ظالموں کے مقابلے میں علم جہاد بلند کرنے کے کارناموں سے بھری ہوئی ہے۔
اس افضل جہاد سے تاریخ اسلام کا کوئی مختصر سے مختصر عہد اور کوئی چھوٹے سے چھوٹا
گوشہ بھی خالی نہیں ہے۔

لیکن قرآن مجید کی ان
انگریزی حکومت کی تائید حمایت اور جہاد کی حُرمت
روشن تعلیمات اور روح

اسلام کے بالکل برخلاف اور انبیاء و مرسلین، صحابہ و تابعین اور ان کے متبعین کے اسوہ حسنہ
کے برعکس مرزا غلام احمد صاحب جن کو مامور من اللہ اور مرسل من عند اللہ ہونے کا دعویٰ
ہے اپنے عہد کے طاغوت اکبر انگریز کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ وہ اسی حکومت
کی تائید و حمایت میں سرگرم نظر آتے ہیں جو اسلامی مملکت کی غاصب اور اسلامی اقتدار
کی سب سے بڑی حریف اور اپنے زمانہ میں فساد و الحاد کی سب سے بڑی علمبردار تھی۔ وہ ایسے
کھلے لفظوں میں اس حکومت کی مدح و ثنا کرتے ہیں جس کے لئے ایک صاحب ضمیر انسان

تیار نہیں ہو سکتا۔ ان کو شروع سے اس مسئلے کا اتنا اہتمام تھا کہ ان کی کوئی تصنیف مشکل سے اس سے خالی نظر آتی ہے۔ انھوں نے پہلی اور سب سے اہم تصنیف براہین احمدیہ کے حصہ اول میں جس طرح اس حکومت کی تعریف و توصیف کی ہے اور اس کے احسانات و خدمات گنائے ہیں اور جس طرح اسلامی انجمنوں کو مسلمانوں کی طرف سے وفاداری کا محضر پیش کرنے اور جہاد کو منسوخ و ممنوع قرار دینے کا مشورہ دیا ہے وہ پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے۔ یہ سلسلہ آخر وقت تک جاری رہا۔ اس موضوع پر انھوں نے ایک وسیع کتب خانہ تیار کر دیا جس میں انھوں نے بار بار اپنی وفاداری اور اخلاص اور اپنی خاندانی خدمات اور انگریزی حکومت کی تائید و حمایت میں اپنی سرگرمی اور انہماک کا ذکر کیا ہے اور ایک ایسے زمانے میں جب مسلمانوں میں دینی حریت کو بیدار کرنے کی سخت ضرورت تھی بار بار جہاد کے حرام و ممنوع ہونے کا اعلان کیا۔ یہاں پر نہایت اختصار کے ساتھ صرف چند عبارتیں اور اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

”میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید و حمایت میں گزر رہا ہے اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں کہ اگر وہ اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔ میں نے ایسی کتابوں کو تمام ممالک عرب مصر اور شام اور کابل اور روم تک پہنچا دیا ہے۔ میری ہمیشہ یہ کوشش ہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیر خواہ ہو جائیں اور مہدی خونی اور مسیح خونی کی بے اصل روایتیں اور جہاد کے جوش دلانے والے مسائل جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں“

لے تریاقی القلوب صفحہ ۱۵

اپنی کتاب شہادت القرآن کے آخر میں لکھتے ہیں :-

”میرا مذہب جس کو میں بار بار ظاہر کرتا ہوں، یہی ہے کہ اسلام کے دو حصے ہیں، ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کرے دوسرے اس سلطنت کی کہ جس نے امن قائم کیا ہو، جس نے ظالموں کے ہاتھ سے اپنے سایہ میں پناہ دی ہو، سو وہ سلطنت حکومتِ برطانیہ ہے“

ایک درخواست میں جو لیفٹیننٹ گورنر پنجاب کو ۲۴ فروری ۱۸۹۸ء کو پیش کی گئی تھی، لکھتے ہیں :

”دوسرا امر قابلِ گزارش یہ ہے کہ میں ابتدائی عمر سے اس وقت تک جو قریباً ساٹھ برس کی عمر کو پہنچا ہوں، اپنی زبان اور قلم سے اس اہم کام میں مشغول ہوں کہ تمام مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی سچی محبت اور خیر خواہی اور ہمدردی کی طرف پھیروں اور ان کے بعض کم فہموں کے دلوں سے غلط خیال جہاد وغیرہ کے دور کروں جو دلی صفائی اور مخلصانہ تعلقات سے روکتے ہیں.....

..... اور میں دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں کے دلوں پر میری تحریروں کا بہت ہی اثر ہوا اور لاکھوں انسانوں میں تبدیلی پیدا ہو گئی ہے

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں :

”میں نے بیسیوں کتابیں عربی، فارسی اور اردو میں اس غرض سے تالیف کی ہیں کہ اس گورنمنٹ محسنہ سے ہرگز جہاد درست نہیں بلکہ سچے

۱۔ اشتہار گورنمنٹ کی توجہ کے لائق صفحہ ۳۔ کتاب شہادۃ القرآن کے آخر میں۔ ۲۔ تلخیص رسالت جلد ہفتم صفحہ ۱۰

دل سے اطاعت کرنا ہر ایک مسلمان کا فرض ہے چنانچہ میں نے یہ کتابیں
بصرف زیرِ کثیر چھاپ کر بلا د اسلام میں پہنچائیں اور میں جانتا ہوں
کہ ان کتابوں کا بہت سا اثر اس ملک پر بھی پڑا ہے اور جو لوگ میرے
ساتھ مریدی کا تعلق رکھتے ہیں وہ ایک ایسی جماعت تیار ہوتی جاتی
ہے کہ جن کے دل اس گورنمنٹ کی سچی خیر خواہی سے لبالب ہیں۔ ان
کی اخلاقی حالت اعلیٰ درجہ پر ہے اور میں خیال کرتا ہوں کہ وہ تمام
اس ملک کے لئے بڑی برکت ہیں اور گورنمنٹ کے لئے ولی جان بیکار۔
ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”مجھ سے سرکارِ انگریزی کے حق میں جو خدمت ہوئی، وہ یہ تھی کہ میں
پچاس ہزار کے قریب کتابیں اور رسائل اور اشتہارات چھپوا کر اس ملک
اور خیزدوسرے بلادِ اسلام میں اس مضمون کے شائع کئے کہ گورنمنٹ
انگریزی ہم مسلمانوں کی محسن ہے۔ لہذا ہر ایک مسلمان کا یہ فرض ہونا
چاہیئے کہ اس گورنمنٹ کی سچے دل سے اطاعت کرے اور دل سے
اس دولت کا شکر گزار اور دعا گو رہے اور یہ کتابیں میں نے مختلف زبانوں
یعنی اردو، فارسی، عربی میں تالیف کر کے اسلام کے تمام ملکوں میں پھیلا
دیں، یہاں تک کہ اسلام کے دو مقدس شہروں مکہ اور مدینہ میں بھی
بجائی شائع کر دیں اور روم کے پایہ تخت قسطنطنیہ اور بلا د شام اور مصر

لے عریفہ بعالی خدمت گورنمنٹ عالیہ انگریزی من جانب مرزا غلام احمد قادیانی صاحب مندرجہ
تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۶۵ مؤلف میر قاسم علی قادیانی۔

اور کابل اور افغانستان کے متفرق شہروں میں جہاں تک ممکن تھا اُٹا کر دی گئی۔ جس کا نتیجہ ہوا کہ لاکھوں انسانوں نے جہاد کے وہ غلیظ خیالات چھوڑ دیئے جو نا فہم ملاؤں کی تعلیم سے ان کے دلوں میں تھے۔ یہ ایک ایسی خدمت مجھ سے ظہور میں آئی ہے کہ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ برٹش انڈیا کے تمام مسلمانوں میں اسکی نظیر کوئی مسلمان دکھلا نہیں سکا۔

مرزا صاحب کی خصوصی توجہ مسئلہ جہاد پر مرکوز تھی جو انگریزی حکومت کے لئے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ تمام ممالک اسلامیہ میں رجن کا بڑا حصہ برطانیہ کے زیر اقتدار آچکا تھا (خاص تشویش اور اضطراب کا باعث تھا۔ مرزا صاحب نے جہاد کے دائمی طور پر منسوخ اور ممنوع ہو جانے کا اعلان فرمایا اور اس کو اپنے مسیح موعود ہونے کا نشان قرار دیا۔ چندہ منارۃ المسیح کے اعلان فرماتے ہیں :

”تیسرے وہ گھنٹہ جو اس منارہ کے کسی حصہ دیوار میں نصب کرایا جائے گا اس کے نیچے یہ حقیقت مخفی ہے کہ تاوگ اپنے وقت کو پہچان لیں یعنی سمجھ لیں کہ آسمان کے دروازوں کے کھلنے کا وقت آگیا۔ اب سے زمینی جہاد بھگتے گئے اور لڑائیوں کا خاتمہ ہو گیا۔ جیسا کہ حدیثوں میں پہلے لکھا گیا تھا کہ جب مسیح آئے گا تو دین کے لئے لڑنا حرام کیا جائے گا۔ سو آج سے دین کے لئے لڑنا حرام کیا گیا۔ اب اس کے بعد جو دین کے لئے تلوار اٹھاتا ہے اور غازی نام رکھا کر کافروں کو قتل کرتا ہے وہ خدا اور اس کے رسول کا نافرمان ہے۔ صحیح سُنّہ کو لھو لہو اور اس حدیث کو پڑھو

لہ ستارہ قیم صفحہ ۳

جو مسیح موعود کے حق میں ہے، یعنی یضع الحرب جس کے یہ معنی ہیں کہ جب مسیح آئے گا تو جہادی لڑائیوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ سو مسیح آچکا اور یہی ہے جو تم سے بول رہا ہے۔

جہاد کے اس موقوف ہونے کو وہ اپنی ”بعثت“ کا مقصد اعظم قرار دیتے ہیں۔

ترياق القلوب کے ضمیمہ ”اشتہار واجب الاطہار“ میں لکھتے ہیں:-

”غرض میں اس لئے ظاہر نہیں ہوا کہ جنگ و جدل کا میدان گرم کروں، بلکہ اسلئے ظاہر ہوا ہوں کہ پہلے مسیح کی طرح صلح و آشتی کے دروازے کھول دوں اگر صلح کاری کی بنیاد درمیان نہ ہو تو پھر ہمارا سارا سلسلہ فضول ہے اور اس پر ایمان لانا بھی فضول ہے۔“

ایک جگہ اور بھی صفائی اور اختصار کے ساتھ لکھا ہے:-

”میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے ویسے ویسے مسلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے، کیونکہ مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی مسلہ جہاد کا انکار کر لیتے ہے۔“

انگریزی حکومت کا قلعہ اور تعویذ | مرزا صاحب نے اپنے عربی رسالہ ”نور الحق“ میں پوری صفائی اور وضاحت کے ساتھ یہاں تک لکھ دیا ہے کہ ان کا وجود انگریزی حکومت کے لئے ایک قلعہ اور حصار اور تعویذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اپنی خدمات گناتے ہوئے لکھتے ہیں:-

قلی ان ادعی التقرؤ فی مجھے حق ہے کہ میں دعویٰ کروں کہ میں ان مقامات

لے اشتہار فائدہ منارۃ المسیح ب، ت ضمیمہ غطیہ الہامیہ لے ترياق القلوب صفحہ ۳۳۵ بتلیغ رسالت جلد ہفتم ص ۱۰

هذه الخدمات فلي ان اقول اننى
وحيد في هذه التايدات فلي ان
اقول انى حرز لها وحصن حافظ
من الافات وبثرى بى وقال ما كان
الله ليعذبهم وانت فيهم فليس
للدولة نظيرى ومثيلى فى نصرى
وعوفى وستعلم الدولة ان كانت
من المتوسمين

میں منفرد ہوں اور مجھے حق ہے کہ میں ان تائیدات
میں یکتا ہوں اور مجھے حق ہے کہ میں یہ کہوں کہ میں
اس حکومت کے لئے تعویذ اور ایسا قلعہ ہوں جو
اسکو آفات و مصائب سے محفوظ رکھے والا ہے اور
میرے رب نے مجھے بشارت دی اور فرمایا کہ اللہ ان کو
عذاب نہیں دیگا جب تک تم ان میں ہو پس حقیقتہً
اس حکومت کے پاس میرا کوئی ہمراہ و نصرت تائید
میں میرا کوئی مثل نہیں۔ اگر خدا نے اس حکومت کو نگاہ
اور مردم شناسی عطا کی ہے تو وہ اس کی تصدیق کرے گی۔

مرزا صاحب نے اس درخواست میں جو فیضینٹ گورنر پنجاب کو ۲۴ فروری
۱۸۹۸ء میں پیش کی تھی، یہاں تک لکھا ہے :-

”یہ اتنا س ہے کہ سرکار دولت مدار ایسے خاندان کی نسبت جس کو پچاس
سال کے متواتر تجربے سے ایک وفادار جان نثار خاندان ثابت کر چکی اور جس
کی نسبت گورنمنٹ عالیہ کے معزز حکام نے ہمیشہ مستحکم رائے سے اپنی چٹھیا
میں یہ گواہی دی ہے کہ وہ قدیم سے سرکار انگریزی کے خیر خواہ اور خدمت گزار
ہے۔ اس خود کاشتہ پودے کی نسبت نہایت حزم و احتیاط اور تحقیق و توجہ سے
کام لے اور اپنے ماتحت حکام کو اشارہ فرمائے کہ وہ بھی اس خاندان کے
ثابت شدہ وفاداری اور اخلاص کا لحاظ رکھ کر مجھے ادبیری جماعت کو غیاطہ ہوائی کی نظر
سے دیکھیں۔“

لے فوراً ہی صفحہ ۳۳ سے تبلیغ رسالت جلد ہفتم صفحہ ۱۹

کسی درخواست میں اپنی اور اپنی جماعت کے لئے سرکار انگریزی کی نمک پروردہ اور نیک نامی حاصل کردہ اور موردِ احترام گورنمنٹ کے الفاظ آئے ہیں۔

مرزا صاحب کو انگریزی حکومت کے پادریوں کے منظرے میچش اور تیزی کی وجہ

ساتھ ایسا اخلاص اور اس کی خیر خواہی کا ایسا جذبہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے جوشِ نفرت کو کم کرنے کے لئے مختلف تدبیریں کرتے تھے۔ انہوں نے عیسائی مناظرین اور پادریوں کے مقابلے میں جس جوش اور سرگرمی کا اظہار کیا، اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ان عیسائی پادریوں نے اسلام کی تردید اور بیخبر اسلام کی زمین میں ایسا رویہ اختیار کیا تھا جس سے مسلمانوں میں جوش اور اشتعال پیدا ہو جانے اور حکومتِ وقت کو نقصان پہنچنے کا خطرہ تھا، اس لئے میں نے بھی مصلحتاً و قصداً ان کی تردید میں جوش و تاثر کا اظہار کیا تاکہ مسلمانوں کا جوشِ طبیعت فرو ہو جائے اور ان کو تسکین ہو۔ وہ لکھتے ہیں:-

”میں اس بات کا بھی اقراری ہوں کہ جبکہ بعض پادریوں اور عیسائی مشنریوں کی تحریر نہایت سخت ہو گئی اور حدِ اعتدال سے بڑھ گئی اور بالخصوص پرچہ ”نور افشاں“ میں جو ایک عیسائی اخبار لدھیانہ سے نکلتا ہے نہایت گندے تحریریں شائع ہوئیں اور ان مولفین نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت نفوذ باللہ ایسے الفاظ استعمال کئے..... تو مجھے ایسی کتابوں اور اخباروں کے پڑھنے سے یہ اندیشہ دل میں پیدا ہوا کہ مبادا مسلمانوں کے دلوں میں جو ایک جوش رکھنے والی قوم ہے ان کلمات کا کوئی سخت اشتعال دینے والا اثر پیدا ہو۔ تب میں نے ان کے جوشوں کو

ٹھنڈا کرنے کے لئے صحیح اور پاک نیت سے یہی مناسب سمجھا کہ اس عام جوش کو دبانے کے لئے حکمتِ علی یہی ہے کہ ان تحریکات کا کسی قدر سختی سے جواب دیا جائے تا سرِ طبع الغضب انسانوں کے جوش فرو ہو جائیں اور ملک میں کوئی بڑا امنی پیدا نہ ہو۔“

ان تعلیمات اور اس عقیدہ اور تبلیغ کا نتیجہ انگریزی حکومت کے رضا کار اور جاسوس یہ تھا کہ انگریزی حکومت کی وفاداری اور اخلاص اور اس کی خدمت کا جذبہ قادیانی جماعت کے ذہن اور اس کی سیرت و اخلاق کا ایک جزو بن گیا۔ اور انگریزی حکومت کو اس جماعت میں سے ایسے مخلص خادم اور ایسے مستعد رضا کار ملتے جنہوں نے ہندوستان اور ہندوستان سے باہر حکومت کی گراں قدر خدمات انجام دیں اور اس کی خاطر اپنا خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ افغانستان میں عبداللطیف قادیانیت کا ایک پر جوش داعی تھا جو جہاد کی برطانیہ کو ترغیب دیتا تھا۔ وہ افغان قوم کے اس جذبہ جہاد کو فائدہ کرنے کے درپے تھا جس نے کبھی اس ملک میں کسی غیر مسلم فاتح یا حکمران کے قدم جتنے نہیں دیئے اور جو انگریزی حکومت کو ہمیشہ پریشان کرتا رہا۔ ہے، اسی بنا پر حکومت افغانستان نے اس کو قتل کر دیا۔

مرزا بشیر الدین محمود صاحب نے خود اس کا اطالوی مصنف کی کتاب کے حوالے سے ذکر کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

”وہ اطالوی مصنف لکھتا ہے کہ صاحبزادہ عبداللطیف صاحب

کو اس درجے سے شہید کیا گیا کہ وہ جہاد کے خلاف تعلیم دیتے تھے اور حکومت

لے ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۳۔ مسئلہ کتاب تریاق القلوب صفحہ ۳۱ بعنوان حضور گورنمنٹ علیہ میں ایک عاجز اور محتاج

افغانستان کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ اس سے افغانوں کا جذبہ حریت کمزور پڑ جائے گا اور اس پر انگریزوں کا اقتدار چھا جائے گا۔
اسی خطبہ میں وہ ارشاد فرماتے ہیں:

”اگر ہمارے آدمی افغانستان میں خاموش رہتے اور وہ جہاد کے باب میں جماعت احمدیہ کے مسلک کو بیان نہ کرتے تو شرعی طور پر ان پر کوئی اعتراض نہ تھا مگر وہ اس بڑھے ہوئے جوش کا شکار ہو گئے جو انہیں حکومتِ طالبانہ کے متعلق تھا اور وہ اسی ہمدردی کی وجہ سے مستحقِ سزا ہو گئے جو قادیان سے لے کر گئے تھے۔

اسی طرح ملا عبد الحکیم و ملا نور علی قادیانی کے پاس سے ایسی دستاویزیں اور خطوط برآمد ہوئے جن سے ثابت ہوتا تھا کہ وہ افغانی حکومت کے غدار اور انگریزی حکومت کے ایجنٹ اور جاسوس ہیں۔

اخبار الفضل نے افغانی اخبار ”امان افغان“ کے حوالہ سے اس اطلاع کو شائع کیا۔ وہ لکھتا ہے:

”افغان گورنمنٹ کے وزیرِ داخلہ نے مندرجہ ذیل اعلان شائع کیا ہے:
”کابل کے دو اشخاص ملا عبد الحکیم چہا آسیائی اور ملا نور علی کانداز قادیانی عقائد کے گرویدہ ہو چکے تھے اور لوگوں کو اس عقیدہ کی تلقین کر کے انہیں اصلاح کی راہ سے بھٹکار رہے تھے۔ جمہور نے ان کی اس حرکت سے متعلق ہو کر ان کے خلاف دعویٰ دائر کر دیا۔ اس کا نتیجہ ہوا کہ مجرم ثابت ہو کر عوام کے ہاتھوں پھینچنے لگا۔ رجب کو عدم آباد پہنچائے گئے، ان کے

خلاف مدت سے ایک ہوجوئی دائرہ چکا تھا اور مملکتِ افغانستان کے مصالح کے خلاف غیر ملکی لوگوں کے سازشی خطوط اُن کے قبضے سے پائے گئے جن سے پایا جاتا ہے کہ وہ افغانستان کے دشمنوں کے ہاتھ سے بک چکے تھے یہ

مرزا بشیر الدین محمود صاحب نے اپنے اس سپاسنامہ میں جو ۱۹ جنوری ۱۹۲۲ء کو پرنس آف ولز کو پیش کیا تھا۔ ان واقعات کا ذکر کیا اور ظاہر کیا کہ یہ سب قربانیاں انگریزی حکومت کے ساتھ اخلاص و وفاداری کا نتیجہ ہیں۔

بجرمِ عشق توام می کشند غوغا نیست
تو نیز بر سرِ بام آ کہ خوش تماشا نیست

اندازہ کی غلطی | مرزا صاحب حکومتِ برطانیہ کا اقبال اور اس کی وسعت و استحکام دیکھ کر یقین رکھتے تھے کہ ہندوستان میں انگریزی حکومت کو کبھی نوال نہیں آئے گا۔ ان کے نزدیک اس سے وفاداری کا اظہار اور اس کی قسمت سے اپنی قسمت وابستہ کر دینا ایک بڑی سیاسی دور بینی اور اعلیٰ درجہ کے تدبیر کی بات تھی حقیقت یہ ہے کہ جو شخص دینی فراست اور سیاسی بصیرت دونوں سے محروم ہو۔ اس کا یہی فیصلہ اور اندازہ ہوگا۔ ان کے علم و ادراک پر یہ بات بالکل مخفی رہی کہ ان کے انتقال پر نصف صدی نہ گزرنے پائے گی کہ یہ غیر متزلزل انگریزی حکومت جس کو وہ ”سایہ الہ“ اور ”دولتِ دین پناہ“ سمجھتے تھے، ہندوستان سے اس طرح کوچ کر جائے گی کہ جیسے کبھی

لہ الفضل مورخہ ۳ مارچ ۱۹۲۵ء

۱۱۵ A PRESENT TO HIS ROYAL HIGHNESS THE PRINCE OF WALES P.P. 7-B

یہاں اس کا وجود نہ تھا اور نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ساری دنیا میں اس کا ستارہ اقبال غروب ہو جائے گا۔

مرزا غلام احمد صاحب نے اس غیر اسلامی اور مخالف اسلام حکومت جس طرح اپنی نیاز مندی کا اظہار کیا ہے اور جس جوش کے ساتھ مسلمانوں کو محکومی اور غلامی کی زندگی کو نعمت سمجھنے کی تلقین کی ہے اس کو اس منصب و مقام سے کچھ مناسبت نہیں جس کے وہ تہمتی ہیں۔

اقبال مرحوم نے اسی بوجہ اور تضاد کی طرف اپنے اشعار میں اشارہ کیا ہے :-

شیخ اور دُور فرنگی را مُرید
گرچہ گوید از مقامِ بامزید
گفت دین را رونق از حکومت
زندگانی از خودی محرومیت
دولتِ اختیار را رحمتِ شمر د
رقصہا گردِ کلیسا گرد و مُرد

لے میں چہ باید کردے اقوامِ مشرق۔

فصل سوّم

مرزا غلام احمد صبا کی دُشمنی کلامی اور دُشنام طرازی

انبیاء اور ان کے متبعین کا طرزِ کلام | انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کے متعلق یقین اور تواثر سے معلوم ہے کہ وہ نہایت شیریں کلام، پاکیزہ زبان، صابر و متحمل، عالی ظرف، فراخ حوصلہ اور دشمن نواز ہوتے ہیں۔ وہ دُشنام کا جواب سلام سے، بددُعا کا جواب دُعا سے، تکبر کا جواب فروتنی سے اور رذالت کا جواب شرافت سے دیتے ہیں۔ ان کی زبان کبھی کسی کے دُشنام اور کسی محسوس کلام سے آلودہ نہیں ہوتی۔ وہ اگر کسی کی تردید یا مذمت کرتے ہیں تو سادہ اور واضح الفاظ میں۔ وہ کسی کے نسب پر حملہ کرنے، اس کے خاندان یا آباد اجداد پر الزام لگانے اور درباری شاعروں اور لطیفہ گوؤں کی طرح چٹکی لینے اور فقرہ چست کرنے کے من سے بالکل نا آشنا ہوتے ہیں۔ ان کا کلام (موافقت و مخالفت دونوں موقعوں پر ان کی سیرت اور فطرت کی طرح پاکیزہ، معتدل، متوازن اور واضح ہوتا ہے۔ صحابہ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں فرماتے ہیں:

ماکان رسول اللہ صلی	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ عداۃ سخت گو
اللہ علیہ وسلم فاحشاً ولا	تھے نہ بتکلف سخت گو بہتے تھے۔ نہ بازادوں میں
متفحشاً ولا صحفناً بانی الاسواق	خلاب و قمار بائیں کرنے والے تھے۔ (ترمذی)

خود آپؐ نے مومن کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

لیس المومن بالطعان ولا
باللعان ولا الفاحش ولا البذی
مومن نہ طعن و تشنیع کرنے والا ہوتا ہے نہ لعنت
بھیجنے والا ہوتا ہے نہ سخت گو نہ فحش کلام (ترمذی)
اس کے مقابلہ میں آپؐ نے منافق کی صفات میں ایک صفت یہ بھی بیان کی ہے:
وَ اِذَا خَاَصَمَ فَجَزَّ
اور جب اس کا کسی سے جھگڑا ہوتا ہے تو فوراً
(بخاری و مسلم) کالی گلوچ پڑاتا ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام اور بالخصوص جناب سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی
شانِ تربیت رفیع ہے، ان کے غلام بھی ان ہستیوں سے بلند ہوتے ہیں۔ ان کو اپنے شیروں
اور بدخواہوں کے حق میں اکثر یہ کہتے ہوئے سنا گیا ہے:

ہر کہ مارا یا ر نہ بود ایند اورا یا ر باد
ہر کہ مارا رنج دادہ را حقش بسیار باد
ہر کہ او خارے نہد در راہ ما ز دشمنی
ہر گئے کز بارغ عمرش بشگفت بے خار باد

نور مرزا صاحب کو تسلیم ہے کہ پیشواؤں اور ان ہستیوں کے لئے جو امامت اور
اور دینی عظمت کے مرتبہ سے سرفراز ہوں تھیں، ضبط نفس اور عفو و حلم کی صفت بہت
ضروری ہے "ضرورۃ الامام" میں لکھتے ہیں:

"چونکہ اماموں کو طرح طرح کے اوباشوں، سفلوں اور بد زبان
لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے اس لئے ان میں اعلیٰ درجہ کی اخلاقی قوت کا
ہونا ضروری ہے تاکہ ان میں طیش نفس اور مجنونانہ جوش پیدا نہ ہو اور لوگ

۱۷) کے فیض سے محروم نہ رہیں۔ یہ ایک نہایت قابلِ شرم بات ہے کہ ایک شخص خدا کا درست کہلا کر پھر اخلاقِ ردیہ میں گزرا اور وہاں درست بات کا ذرا بھی متحمل نہ ہو سکے اور حمامِ زماں کہلا کر ایسی کچی طبیعت کا آدمی ہو کہ ادنیٰ بات میں منہ سے جھاگ آتا ہے، آنکھیں نیلی پیلی ہوتی ہیں، وہ کسی طرح سے امامِ زماں نہیں ہو سکتا۔

لیکن اس کے بالکل برعکس مرزا غلام احمد صاحب نے اپنے مخالفین کو جہنم میں جلیل القدر علماء اور عظیم المرتبت مشائخ تھے، ان الفاظ سے یاد کیا ہے اور ان کی ان الفاظ میں ہجو کی اور خاک اڑائی ہے کہ بار بار تہذیب کی نگاہیں نیچی اور حیا کی پیشانی عریٰ آلود ہو جاتی ہے۔ ان مخالفین کے لئے ذُرِ بَیْثَةِ الْبَغَايَا (بدکارہ عورتوں کی اولاد) کا کلمہ تو مرزا صاحب کا تکیہ کلام ہے۔

ان کی اس ہجو کے زیادہ تیز اور شوخ نمونے عربی نظم و شریں ہیں، لیکن چونکہ اصنافِ ادب میں سے طنزِ باطن و محویات کا ترجمہ سب سے زیادہ نازک اور مشکل کام ہے اس لئے یہاں چند ہی نمونوں کے ترجمے پیش کئے جاتے ہیں۔

کتابِ انجامِ آتھم کے ضمیمہ میں فرماتے ہیں:-

”اگر یہ گالی دیتے ہیں تو میں نے اُن کے کپڑے اتار لیے ہیں اور

ان کو ایسا مردار بنا کر پھوڑ دیا ہے جو پچپانا نہیں جاتا۔“

دوسری جگہ اپنے مخالفین کو اس طرح یاد کرتے ہیں:

۱۵ صفحہ ۲۵ ملاحظہ فرمائیے کالات اسلام صفحہ ۴۲ نورالحی حقہ اطل مغربہ ۱۲ انجامِ آتھم ص ۲۵ ۱۵ صفحہ ۱۵

”دشمن ہمارے یا باؤں کے خنزیر ہو گئے ہیں اور ان کی عورتیں کشتیوں سے بڑھ گئی ہیں“

انھوں نے اپنے حریف مقابل مولوی سعد اللہ صاحب لدھیانوی کو ان الفاظ میں یاد کیا ہے کہ قلم بھی اس کا ترجمہ کرنے سے معذرت کرتا ہے، اس لئے عربی دان اصحاب کے لئے اصل اشعار نقل کر دیئے جاتے ہیں۔

ومن اللئام اہری رجلا فاسقا غولا لعینا نطفۃ الشفہاء
شکس نبیث مفسد ومزور محسب کیمتی السعد فی الجہلاء
اذیتنی خبثا فلست بصادق ان لم تمت بالحنزی یا ابن بلاء

انھوں نے ایک ہی مقام پر اپنے عصر کے اکابر علماء و شیوخ کو جو اسلامی ہندوستان کا جوہر اور عالم اسلام کے چیدہ دگرزیدہ بزرگ، عارف باللہ اور جید عالم تھے اپنے وجود تشنیع کا نشانہ بنایا ہے۔ ان میں مولانا محمد حسین بٹالوی، مولانا سید ندیر حسین محنت دہلوی، مولانا عبدالحق حقانی، مفتی عبداللہ ٹونکی، مولانا احمد علی سہارنپوری، مولانا احمد حسن امروہی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی جیسے اعظم رجال ہیں۔ ان کے لئے انھوں نے ذائب و کلاب الشیطان لعین، شیطان اعلیٰ، غول اغوی اور شقی و ملعون کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

اسی طرح اپنے زمانے کے مشہور عالم اور شیخ طریقت پیر مہر علی شاہ صاحب گڑوی کی شان میں ایک سنجیدہ قصیدہ لکھا ہے جس کے دو شعروں کا ترجمہ انھیں کے قلم سے حسب ذیل ہے:-

”پس میں نے کہا کہ اے گولڑہ کی زمین تجھ پر لعنت۔ تو ملعونوں

لہ: زم البی، صفحہ ۱۵۱، انجام آفتم صفحہ ۲۸۱، ۲۸۲ کہ انجام آفتم
تہ: ملاحظہ ہوا انجام آفتم کے آخر میں مرزا صاحب کا طویل عربی کتبہ صفحہ ۲۵۱-۲۵۲

کے سبب سے ملعون ہو گئی، پس توقیامت کو ہلاکت میں پڑے گی۔
اس فرومایہ نے کینہ لوگوں کی طرح گالی کے ساتھ بات کی ہے اور
ہر ایک آدمی خصوصیت کے وقت آزمایا جاتا ہے۔

ان مطاعن اور ورشت کلامیوں سے بھی ان کی پر جوش طبیعت کو تسکین نہیں ہوئی
وہ بعض موقعوں پر مخالفین پر لعنت کرتے ہوئے لعنت کی تعداد کو کسی ایک ہندسہ میں ظاہر
کرنے کے بجائے لفظ لعنت کو علیحدہ علیحدہ لکھتے ہیں۔ ضمیمہ نزول المسیح میں انھوں نے مولانا
نثار اللہ صاحب کے لئے دس مرتبہ لعنت لکھا ہے اور نور الحق میں عیسائیوں کے لئے ایک
ہزار بار لعنت کا لفظ لکھا ہے۔ ”یہ لعنت نامہ“ ان کے جوش طبیعت کا عجیب موقع ہے۔
یہاں پر مرزا صاحب کے طرز کلام کے چند مزید نمونے پیش کیے جاتے ہیں جن میں
انھوں نے اپنے مخالف علماء کو مجموعی طور پر مخاطب کیا ہے۔ انجام آتم کے ایک حاشیہ
پر تحریر فرماتے ہیں:-

”اے بد ذات فرقہ مولویان! تم کب تک حق کو چھپاؤ گے، کب
وہ وقت آئے گا کہ تم یہودانہ خصلت کو چھوڑو گے۔ اے ظالم مولویو!
تم پرافسوس کہ تم نے جس بے ایمانی کا پیالہ پیاد ہی عوام کا لالچام کو بھی پلایا“
ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”دنیا میں سب جانداروں سے زیادہ پلید اور کراہت کے لائق
خزیر ہے، مگر خنزیر سے زیادہ پلید وہ لوگ ہیں جو اپنے نفسانی جوش کے
لئے حق اور دیانت داری کی گواہی کو چھپاتے ہیں۔ اے مردار خور مولویو!

لے عجاز احمدی صفحہ ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲

اور گندی ردحو! تم پر افسوس کہ تم نے میری عداوت کے لئے اسلام
کی سچی گوہی کو چھپایا۔ اے اندھیرے کے کیڑو! تم سچائی کے تیسرے
شعاعوں کو کیونکر چھپا سکتے ہو؟

اسی تحریر میں لکھتے ہیں:

”مگر کیا یہ لوگ قسم کھائیں گے، برگز نہیں، کیونکہ یہ جھوٹے ہیں۔

اور کتوں کی طرح جھوٹ کا مردار کھا رہے ہیں۔“

یہ موضوع نہ تو محترمہ مطور کے لئے خوشگوار ہے نہ قارئین کتاب کے لئے دلچسپ و

و مرغوب، اس لئے ہم انھیں چند نمونوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ ع

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

۱۷ ضمیمہ احکام آتھم صفحہ ۲۱، حاشیہ ۷۰ ایضاً صفحہ ۲۵

فصل چہارم

ایک پیش گوئی جو پوری نہیں ہوئی !!

۱۸۸۸ء میں مرزا غلام احمد صاحب نے جب کہ
 محمدی بیگم سے نکاح کی پیش گوئی | ان کی عمر پچاس سال کی تھی، اپنے ایک
 رشتہ دار مرزا احمد بیگ کی نو عمر صاحبزادی محمدی بیگم کے نکاح کا پیام دیا۔ ان کا بیان ہے کہ وہ
 خدا کی طرف سے اس بات کے لئے امور تھے اور خدا نے صاف اور صریح الفاظ میں اس کلام
 کی تکمیل کا وعدہ فرمایا تھا۔ وہ اپنے ایک اشتہار میں جو ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء کو شائع اور تقسیم ہوا
 لکھتے ہیں :-

”اس خدا نے قادر حکیم مطلق نے مجھے فرمایا کہ اس شخص (احمد بیگ)
 کی دختر نکلاں کے نکاح کے لئے سلسلہ جنائی کر اور ان کو کہہ دے کہ تمام
 سلوک اور مروت تم سے اسی شرط کے ساتھ کیا جائے گا اور یہ نکاح تمہارے
 لئے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان ہوگا اور ان تمام برکتوں سے
 حصہ پاؤ گے جو اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۸ء میں درج ہیں، لیکن اگر نکاح
 سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی برا ہوگا اور جس کسی دوسرے
 شخص سے یہاں سے پیہاں جائے گی وہ روزِ نکاح سے اڑھائی سال تک اور ایسا
 ہی والد اس دختر کا تین سال تک فوت ہو جائے گا اور ان کے گھر بے تفرقہ

اور تنگی اور مصیبت پڑے گی اور درمیانِ زمانہ میں بھی اس دختر کے لئے کئی کراہت اور غم کے امر پیش آئیں گے۔
”ازالہ اوہام میں اس پیش گوئی کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں:

”خدا نے تعالیٰ نے ہمیشہ گوئی کے طور پر اس عاجز پر ظاہر فرمایا کہ مرزا احمد بیگ ولد مرزا کاماں بیگ ہوشیار پوری کی دختر کلاں انجام کار تمھارے نکاح میں آئے گی اور وہ لوگ بہت عداوت کریں گے اور بہت مانع آئیں گے اور کوشش کریں گے کہ ایسا نہ ہو لیکن آخر کار ایسا ہی ہو گا اور فرمایا کہ خدا نے تعالیٰ ہر طرح سے اس کو تمھاری طرف لائے گا۔ باکرہ ہونے کی حالت میں یا بیوہ کر کے اور ہر ایک روک درمیان سے اٹھا دے گا اور اس کام کو ضرور پورا کرے گا، کوئی نہیں جو اسکو روک سکے۔“

یہ مسئلہ اگرچہ ایک خانگی مسئلہ تھا اور پیش گوئی کی اہمیت اور اس کی قطعیت کسی مورخ یا ناقد کو ایسے خانگی و ذہنی

مسائل سے کوئی بحث نہیں ہونی چاہیے دنیا میں لوگ شادی کے پیام دیتے ہیں، کبھی منظور ہوتے ہیں کبھی منظور نہیں ہوتے، لیکن اس پیام اور اس واقعہ کو ایک خاص اہمیت اور امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ مرزا صاحب نے اس کو اپنے صدق و کذب کا معیار اور اپنی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ وہ اسی اشتہار میں اپنی اس پیش گوئی کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

لے یہ اشتہار ریاض ہند ام ترسہ کا چھاپا ہوا ۲۰۷۲ کے آٹھ صفحوں میں ہے اس کو مرزا صاحب نے جگنہ پرنیہ کمالات اسلام میں نقل کیا ہے، صفحہ ۱۲۸۹ اور قاسم علی صاحب قادری نے تبلیغ رسالت حصہ اول میں درج کیا ہے۔ (صفحہ ۱۱۸ - ۱۱۹) لے ازالہ اوہام صفحہ ۱۹۸

”یہ خیال لوگوں کو واضح ہو کہ ہمارا صدق یا کذب جانچنے کے لئے

ہماری پیش گوئی سے بڑھ کر اور کوئی محکم امتحان نہیں ہو سکتا۔“

یہ بھی خیال ہو سکتا ہے کہ بعض اوقات غیبی اطلاع کے سمجھنے میں اشتباہ ہو جاتا ہے اور

علم الغائب کے اشتراک کی وجہ سے اس کا کوئی غلط مصداق ٹھہر لیتا ہے، لیکن خود مرزا صاحب کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پیش گوئی میں جو بڑی تحدیٰ اور چیلنج کے ساتھ مخالفوں کے سامنے پیش کی گئی تھی، اس شبہ کا کوئی خوار نہیں۔ وہ فرماتے ہیں:-

”جن پیش گوئیوں کو مخالف کے سامنے دعوے کے طور پر پیش

کیا جاتا ہے وہ ایک خاص طور کی روشنی اور ہدایت اپنے اندر رکھتی

ہیں اور ہم لوگ حضرت اذیت میں خاص طور پر توجہ کر کے ان کا زیادہ تر

انکشاف کرا لیتے ہیں۔“

ممکن ہے لوگ اس پیش گوئی کو زیادہ اہمیت نہ دیتے۔ مرزا صاحب کی زندگی

میں ان پیش گوئیوں میں کوئی بات نہ تھی، ان کی تصنیفات، اشتہارات اور ان کی دعوتی

زندگی ان پیش گوئیوں سے بھری ہوئی ہے۔ لیکن اس پیش گوئی میں ایک خاص انفرادیت اور

تشخص ہے۔ مرزا صاحب نے اس کو ایک نشانِ آسمانی اور فیصلہ آسمانی کے طور پر

پیش کیا اور اس کو نہ صرف اپنے صدق و کذب بلکہ اسلام کی شکست و فتح کا معیار بنا دیا۔

وہ ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء کے مذکورہ بالا اشتہار میں لکھتے ہیں:-

”پھر ان دنوں میں جو زیادہ تصریح اور تفصیل کے لئے بار بار توجہ

کی گئی تو معلوم ہوا کہ خدا نے تعالیٰ نے یہ مقرر کر رکھا ہے کہ وہ مکتوب الیہ

(مرزا احمد بیگ) کی دُختر کلاں کو جس کی نسبت درخواست کی گئی تھی ہر ایک
..... روک دُور کرنے کے بعد انجام کلاں اسی عاجز کے نکاح میں لادے گا
اوپر دینوں کو مسلمان بنا دے گا۔ اور اگر اہوں میں ہدایت پھیلا دے گا
چنانچہ عربی الہام میں اس بارے میں یہ ہے:

”كذَّبُوا يَا بَنَاتِنَا وَكَانُوا بِهَا سِتْهُزَعُونَ ط فسيكفيهم الله

ویرڈھا الیک لا قبل لکلمت اللہ۔ ان سبک فعال لما یرید
انت معی واما معک۔ عسی ان یبعثک سربک مقاماً محموداً
یعنی انھوں نے ہمارے نشانوں کو جھٹلایا اور وہ پہلے سے ہنسی کر رہے
تھے۔ سو خدائے تعالیٰ ان سب کے تدارک کے لئے جو اس کام کو روک رہے ہیں
تھامارہ دگر ہوگا اور انجام کار اس کی اس لڑکی کو تمھاری طرف۔ پس لایکا
کوئی نہیں جو خدا کی باتوں کو مال سکے۔ تیرا سب وہ قادر ہے کہ جو کچھ چاہے
وہی ہو جاتا ہے۔ تو میرے ساتھ اور میں تیرے ساتھ ہوں اور عنقریب وہ
مقام تجھے ملے گا، جس میں تیری تعریف کی جائے گی۔ یعنی گودل میں اجمت اور
نادان لوگ بد باطنی اور بد عقلی کی راہ سے بدگوئی کرتے ہیں اور نالائقی باتیں
مونہ پر لاتے ہیں، لیکن آخر کار خدائے تعالیٰ کی مدد دیکھ کر شرمندہ ہونے
اور سچائی کے کھلنے سے چاروں طرف سے تعریف ہوگی۔

اس کے بعد بھی امکان تھا کہ لوگ اپنی مشغولیتوں میں اس قصہ کو بھول جاتے لیکن مرزا صاحب
کو اس درجہ اس پیش گوئی کی تکمیل پر یقین تھا کہ وہ بار بار اس کا اعادہ کرتے رہتے تھے اور

ملہ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۸۶، تبلیغ رسالت حصہ اول صفحہ ۱۱۶

زیادہ سے زیادہ موکد الفاظ میں اس کا اعلان فرماتے تھے، ”وہ آسمانی فیصلہ“ میں فرماتے ہیں:
 ”اشتہار دہم جولائی ۱۹۸۸ء کی پیش گوئی کا انتظار کریں جس کے
 ساتھ یہ بھی الہام ہے: ویسکونٹ احق ہو قل ای ودبی انہ
 لحق وما انتہم معجزین زوجناکھا کا صبدل لکلماتی
 وان یروا ۱۰۰ یعرضوا ویقولوا صحر مستقر۔ اور تجھ سے
 پوچھتے ہیں کہ کیا یہ بات سچ ہے کہ ہاں، مجھے اپنے رب کی قسم ہے کہ یہ سچ
 ہے اور تم اس بات کو وقوع میں آنے سے روک نہیں سکتے۔ ہم نے خود
 اس سے تیرا عقد نکاح باندھ دیا ہے۔ میری باتوں کو کوئی بدل نہیں سکتا
 اور نشان دیکھ کر منہ پھیریں اور قبول نہیں کریں گے اور کہیں گے یہ
 کوئی پکا فریب یا پکا جادو ہے۔“

اپنے اس عربی خط میں جو علماء و مشائخ ہندوستان کے نام تحریر کیا ہے، فرماتے ہیں:-

”والقدما قد رمبہم	تقدیر تقدیر میرم ہے جس کا خدا کی طرف سے
من عند الرب العظیم وسیاتی	آخری فیصلہ ہو چکا ہے اور اس کا وقت
وقتہ بفضل اللہ الکریم	بفضل خدا آکر رہے گا۔ قسم ہے اس
فوالذی بعث لنا محمد المصطفیٰ	بات پاک کی جس نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ
وجعلہ خیر الرسل وخیر الویٰ	علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ کو تمام
ات هذا حق فسوف تری والی	انبیا اور تمام مخلوقات میں افضل بنایا
اجعل هذا النبء معیاراً	یہ ایک امر حق ہے تم کو خود نظر آ جائیگا اور

۱۰ فیصلہ آسمانی صفحہ ۳۰

لَسَدَقْدَ دَكْذَبِي وَمَا قَلَّتْ اور میں اس پیشگوئی کو اپنے صدق کذب کا
الْأَبْعَدُ مَا أَنْبَأْتُ مِنْ سَابِقِي ۝ معیار ٹھہراتی ہوں اور میں نے اس وقت
..... تک یہ بات نہیں کہی جب تک مجھے اپنے رب
..... کی طرف سے اسکی اطلاع نہیں دی گئی۔

ازالہ اہرام میں اس پیش گوئی کی عظمت اور اسکے نشان آسمانی ہونے کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

”اس پیش گوئی کی نسبت آریوں کے بعض منصف مزاج لوگوں نے
بھی شہادت دی ہے کہ اگر یہ پیش گوئی پوری ہو جائے تو بلاشبہ خدا کا فضل
ہے اور یہ پیش گوئی ایک سخت قوم کے مقابلہ پر ہے جنہوں نے گویا دشمنی اور عداوت
کی تلو لیں کھینچی ہوئی ہیں اور ہر ایک کو جس کو ان کے حال کی خبر ہوگی۔ وہ
اس پیش گوئی کی عظمت خوب سمجھتا ہوگا۔ جو شخص اشتہار کو پڑھے گا، وہ گویا
ہی متعجب ہوگا، اس کو اقرار کرنا پڑے گا کہ مضمون اس پیش گوئی کا انسان
کی قدر سے بالاتر ہے۔“

مرزا صاحب کو شدتِ علالت اور قربِ وفات کے خطرہ سے جب کبھی اس پیشگوئی کے بارے
میں تردید ہوا، جدید الہام کے ذریعے سے ان کو اس کا اطمینان ملا دیا گیا۔ ازالہ اہرام میں لکھتے ہیں :

”جب یہ پیش گوئی معلوم ہوئی اور ابھی پوری نہیں ہوئی تھی ویسا کہ
اب تک یعنی جو ۱۶ اپریل ۱۸۹۰ء ہے، پوری نہیں ہوئی، تو اس کے بعد اس
عاجز کو ایک سخت بیماری آئی، یہاں تک کہ قریب موت کے نوبت پہنچ گئی، بلکہ
موت کو سامنے دیکھ کر وصیت بھی کر دی گئی۔ اس وقت گویا یہ پیش گوئی

آنکھوں کے سامنے آگئی اور یہ معلوم ہو رہا تھا کہ اب آخری دم ہے اور
اب جنازہ نکلنے والا ہے۔ تب میں نے اس پیشگوئی کی نسبت خیال کیا کہ
شاید اس کے اور معنی ہوں گے جو میں سمجھ نہیں سکا۔ تب اسی حالت قریب
الموت میں مجھے الہام ہوا الحق من ربک فلا تکنون من الممذون
یعنی یہ بات تیرے رب کی طرف سے سچ ہے تو کیوں شک کرتا ہے۔

غرض محمدی بیگم سے نکاح مرزا صاحب کے نزدیک ایک طے شدہ امر تھا جس کا فیصلہ آسمان
پر ہو چکا تھا اور جس میں تغیر و تخلف کا کوئی امکان نہ تھا۔ انھوں نے اس کو نہ صرف اپنے صدق
کذب بلکہ اپنے خبر دینے والے کے صدق و کذب کا معیار بنادیا تھا اور چونکہ اپنے کو وہ اسلام کا
صحیح نمائندہ اور درکیل اور اپنی عزت کے اسلام کی عزت سمجھتے تھے۔ اس موقع پر اسلام کی فتح و شکست کا سوال
کھڑا کر دیا تھا۔

مرزا احمد بیگ نے مرزا غلام احمد
مرزا احمد بیگ کا انکار اور مرزا صاحب کا اصرار
اپنے ایک عزیز مرزا سلطان محمد سے اپنی لڑکی کا عقد کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ مرزا صاحب کو
اس کا علم ہوا مسئلہ خود مرزا صاحب کے جوش اور خود اعتمادی کی وجہ سے (خاندانی حدود
سے نکل کر پہلیک میں آچکا تھا اور اخباروں اور رسالوں کا عنوان اور مجلسوں کا موضوع سخی
بنا ہوا تھا۔ ہندو، مسلمان اور سکھوں کو اس مسئلہ سے ایسی دل چسپی پیدا ہو گئی تھی جو اپنی عمر سیا
اور امتیازی شان کی وجہ سے بالعموم شاہی خاندان اور مشاہیر کی شادیوں اور شہزادیوں
سے بھی نہیں ہوتی مرزا صاحب نے اپنے بار بار کے اشتہارات اور تحدی سے خود اس مسئلہ
کو پیچیدہ اور نازک بنا دیا تھا۔ لڑکی کے خاندان کے لوگوں نے (جو مرزا صاحب دینی اختلاف

بھی رکھتے تھے اور جن کی خود داری اور شرافت کو مرزا صاحب کے اعلانات اور تشہیر سے ٹھیس لگی تھی (لڑکی کو مرزا صاحب کے جہانہ عقد میں دینے سے انکار کر دیا۔ مسئلہ ایسا بالذرائع اور سنجیدہ بن گیا تھا کہ مرزا صاحب کے لئے اس رشتہ کا ہو جانا ضروری تھا وہ اتنے واضح اور قطعی الفاظ میں اس کی پیش گوئی اور یقین دہانی کر چکے تھے کہ ان کے لئے نہ اس سے دستبردار ہونا ممکن تھا نہ اس کی تاویل۔ خود مرزا صاحب اصولاً اس کے قائل تھے کہ کھلم کو پیش گوئی کی تکمیل کے لئے خود بھی جدوجہد اور تدبیر کرنی چاہیے اور یہ اس کے منصب مقام کے منافی نہیں۔ اسی بنا پر نزولِ مسیح کی پیش گوئی کے ایک جُزء ”منارہ شرقی“ کی تعبیر کا انھوں نے اہتمام کیا تھا اور اپنی زندگی میں اس کا آغاز کر دیا تھا۔ اسی اصول کی بنا پر انھوں نے محمدی بیگم کے ولی اُس کے والد اور اس کے رشتہ داروں کو ہر طرح سے اس رشتہ پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے اس کے لئے ترغیب و ترہیب کے تمام ذرائع اختیار کئے۔ ان کی درخواست اور اجولائی مشہور کے اشتہار میں بھی۔ دونوں پہلو (ترغیب و ترہیب) موجود ہیں۔ وہ عقد ہو جانے کی حالت میں انعاماتِ خداوندی کا وعدہ کرتے ہیں اور انکار کی حالت میں اس کے اجرِ جہانے کی پیش گوئی کرتے ہیں۔

اس موقع پر انھوں نے لڑکی کے والد مرزا احمد بیگ اور اس کے پھوپھا مرزا علی شیر بیگ اور پھوپھی ادا بان دوسرے اعزہ کو جو اس رشتہ کے بارے میں موثر و مفید ہو سکتے تھے بڑی لجاجت اور خوشامد کے خط لکھے کہ وہ اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر یہ رشتہ اگر کرادیں۔ مرزا احمد بیگ کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

لے وہ حقیقتہً الٰہی میں لکھتے ہیں۔ ”اگر وہی الٰہی کوئی بات بطور پیش گوئی ظاہر فرما دے اور ممکن ہو کہ انسان بغیر کسی فتنہ اور ناجائز طریق کے اس کو چورا کر سکے تو اپنے ہاتھ سے اس پیش گوئی کو چورا کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستوی ہے صفحہ ۱۹۱۔“

”اگر آپ نے میرا قول اور بیان مان لیا تو مجھ پر مہربانی اور احسان اور میرے ساتھ نیکی ہوگی۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں گا اور آپ کی دلائی عمر کے لئے ارحم الراحمین کے جناب میں دعا کروں گا اور آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کی لڑکی کو اپنی زمین اور ملکات کا ایک تہائی حصہ دوں گا۔ اور میں یہ کہتا ہوں کہ ان میں سے جو کچھ مانگیں گے، میں آپ کو دوں گا۔“

دوسرے خط میں لکھتے ہیں:

”میں اب بھی عاجزی اور ادب سے آپ کی خدمت میں متمسک ہوں کہ اس رشتہ سے آپ انحراف نہ فرمائیں کہ یہ آپ کی لڑکی کے لئے نہایت درجہ موجب بکت ہو گا اور خدا تعالیٰ ان برکتوں کا دروازہ کھلے گا جو آپ کے خیال میں نہیں ہے۔“

مرزا علی شیر بیگ کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:-

”اگر آپ کے گھر کے لوگ سخت مقابلہ کر کے اپنے بھائی کو سمجھاتے تو کیوں نہ سمجھتا کیا میں چوڑیا چار تھا جو مجھ کو لڑکی دینا عاریتاً نہ تھا بلکہ وہ تو اب تک ہاں میں ہاں ملاتے رہے اور اپنے بھائی کے لئے مجھے چھوڑ دیا اور اب اس لڑکی کے نکاح کے لئے سب ایک ہو گئے۔ یوں تو مجھے کسی لڑکی سے کیا غرض؟ کہیں جائے مگر یہ تو انسا یا گیا کہ جن کو میں خوش سمجھتا اور جن کی لڑکی کے لئے چاہتا تھا کہ اس کی اولاد ہو اور وہ میری وارث ہو، وہی میرے خون کے پیاسے، وہی میری عزت کے پیاسے ہیں کہ چاہتے

نہ کلمہ بفضل رحمانی مؤلف قاضی فضل احمد صاحب (ماخوذ از قادیانی مذہب) کلمہ بفضل رحمانی، مرزا صاحب اور خطوط کا مجموعہ ہے جو انھوں نے محمدی بیگم کے رشتہ داروں اور سرپرستوں کو بھیجے۔ ال خطوط کی صحت اور ان کی مرزا صاحب کی طرف سے نسبت سے مرزا صاحب کو بھی انکار نہیں۔

ہیں کہ خواہ ہو اور اس کا رد سیاہ ہو۔ خدا بے نیاز ہے جس کو چاہے دوسیاہ کرے مگر اب تو وہ مجھے آگ میں ڈالنا چاہتے ہیں۔“
 آپ نے مرزا احمد بیگ کے نام ایک خط میں یہ بھی لکھا کہ:
 ”آپ کو شاید معلوم ہو گا کہ یہ پیش گوئی اس عاجز کی ہزار ہا لوگوں میں مشہور ہو چکی اور میرے خیال میں شاید دس لاکھ سے زیادہ آدمی ہو گا جو اس پیش گوئی پر اطلاع رکھتا ہے۔“
 اسی خط میں لکھتے ہیں:۔

”میں نے لاہور میں جا کر معلوم کیا کہ ہزاروں مسلمان مساجد میں نماز کے بعد اس پیش گوئی کے لئے بصدق دل دعا کرتے ہیں۔“
 مرزا صاحب کو معلوم ہوا کہ ان کی یہ عزت بی بی فضل احمد مرحوم کی اہلیہ اور اس کی والدہ الہیہ مرزا شیر علی بیگ جوڑکی کی چھوٹی بہن تھیں، مرزا صاحب کے نکاح کی مخالف اور مرزا سلطان محمد سے محمدی بیگم کے نکاح کے لئے سامی اور مؤید ہیں، مرزا صاحب نے اپنے سمدھی مرزا علی شیر بیگ کو لکھا:

”میں نے ان کی خدمت میں (الہیہ مرزا شیر علی بیگ کی خدمت میں خط لکھ دیا ہے کہ اگر آپ اپنے ارادہ سے باز نہ آئیں اور اپنے بھائی (مرزا احمد بیگ) کو اس نکاح سے روک نہ دیں تو جیسا کہ آپ کی خود مشقا ہے میرا بیٹا افضل احمد بھی آپ کی راد کی (عزت بی بی) کو اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتا۔ بلکہ ایک طرف جب (محمدی) کا کسی شخص سے نکاح

لے کر فضل رحمانی، اختر ذوق دانی، مذہب، لے کر فضل رحمانی، اختر ذوق دانی، مذہب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بیاباں گئی ہیں سچ کہتا ہوں کہ اس عداوت میں جہاں ان باتوں پر جو میری طرف سے نہیں ہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہیں ہنسی کی گئی ہے ایک وقت آنا ہے کہ عجب اثر پڑے گا اور سب کے اندامت سے سر نیچے ہوں گے۔

عمدت اب تک زندہ ہے میرے نکاح میں وہ عودت ضرور آئے گی۔ امید یقین کامل ہے خدا کی باتیں ملتی نہیں، ہو کر رہیں گی۔
مرزا صاحب نے اپنے پہلے اشتہار میں پیش گوئی کی تھی کہ جس کسی دوسرے شخص سے محمدی سکیم کا نکاح ہوگا وہ ارٹھائی سال کے اندر انتقال کر جائے گا۔ یہ ڈھائی سال کی مدت گزر گئی اور مرزا سلطان محمد صاحب بقید حیات تھے اور خوشگوار ازدواجی زندگی گزار رہے تھے۔ مرزا صاحب نے اس میعاد کے گزر جانے کے بعد اس میں توسیع فرمادی۔ (اشتہار مودعہ ۱۹۹ء) میں لکھتے ہیں:

”عذاب کی میعاد ایک تقدیر معلق ہوتی ہے جو خوف اور رجوع سے دوسرے وقت پر جا پڑتی ہے جیسا کہ تمام قرآن اس پر شاہد ہے لیکن نفس پیش گوئی یعنی اس عودت کا اس عاجز کے نکاح میں آنا یہ تقدیر مبرم ہے جو کسی طرح مل نہیں سکتی کیونکہ اس کے لئے الہام الہی میں یہ فقرہ موجود ہے کہ لا تبدل لکلمات اللہ، یعنی میری بات سرگرم نہیں ملے گی۔ پس اگر مل جائے تو خدا کا کلام باطل ہوتا ہے“۔

اسی اشتہار میں وہ سری جگہ اس التوا کی حکمت بیان کرتے ہیں:

”قرآن بتلا رہا ہے کہ ایسی پیش گوئیوں کی میعادیں معلق تقدیر کی قسم

۱۱ اخبار الحکم ۱۰ اگست ۱۹۹۰ء (ماہِ عرفانِ قادیاں مذہب و تحقیق لائٹ) نے تبلیغ رسالت جلد ۱ ص ۱۵۵

میں سے ہوتی ہیں، لہذا ان کے تبدیل اور تغیر کے وجوہ پیدا ہونے کے وقت ضرور وہ تاریخیں اور معادیں ٹل جاتی ہیں۔ یہی سنتِ الہیہ ہے جس سے قرآن بھرا پڑا ہے۔ پس ہر ایک پیش گوئی جو وحی اور ابہام کے ذریعے سے ہوگی، ضرور ہے کہ وہ اسی سنت کے موافق ہو جو خدا تعالیٰ کی کتابوں میں قرار پا چکی ہیں اور اس زمانہ میں اس سے یہ فائدہ بھی متصور ہے کہ جو علوم ربانی دنیا سے اٹھ گئے ہیں پھر ان لوگوں کی نظر ان پر پڑے اور معارفِ قرآنی کی تجدید ہو جائے۔

مرزا صاحب کو ہر حال اس پیش گوئی کے صحیح ہونے پر اصرار اور اس کی تکمیل کا یقین تھا۔ انجامِ آتھم میں لکھتے ہیں:

”میں بار بار کہتا ہوں کہ نفسِ پیش گوئی و اما د احمد بیگ (سلطان)

کی تقدیر مبرم ہے۔ اس کا انتظار کرو۔ اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیش گوئی پوری نہیں ہوتی اور میری موت آجائے گی۔“

مرزا سلطان محمد کی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت دی۔ وہ پہلی جنگِ عظیم میں شریک ہوئے اور زخمی ہوئے لیکن بچ گئے اور مرزا صاحب کی وفات کے بعد عرصہ تک زندہ رہے۔ مرزا صاحب نے ۱۹۰۹ء میں وفات پائی اور یہ نکاح جو بقول ان کے آسمان پر ہو چکا تھا زمین پر نہ ہو سکا۔ لیکن جماعت کے راسخ العقیدہ افراد کے نزدیک اب بھی اس کے متعلق قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا اور جب تک نسلِ آدم کا سلسلہ باقی ہے اس پیش گوئی کے تحقق کا امکان ہے۔ حکیم نور الدین صاحب نے اسکی عجیب تقریر فرمائی: ”وہ اپنے ایک مفسرین

۱۔ انجامِ آتھم صفحہ ۳ (حاشیہ)

میں جو وفات مسیح موعود کے عنوان سے ۱۹۰۸ء میں قادیان کے رسالہ ریویو آف ریلیجنز میں شائع ہوا تھا لکھتے ہیں :

”اب وہ تمام اہل اسلام کو جو قرآن کریم پر ایمان لائے اور لاتے ہیں ان آیات کا یاد دلانا مفید سمجھ کر لکھتا ہوں کہ جب مخاطبت میں مخاطب کی اولاد اور مخاطب کے جانشین اور اس کے مائل داخل ہو سکتے ہیں احمد بیگ کی لڑکی یا اس لڑکی کی لڑکی کیا داخل نہیں ہو سکتی اور کیا آپ کے علم فرشتوں میں بنات البنات (لڑکیوں کی لڑکیوں) کو حکم بنات نہیں مل سکتا اور کیا میرزا (صاحب) کی اولاد مرزا (صاحب) کی عصبہ نہیں۔ میں نے تجار ہائے عزیز میاں محمود کو کہا کہ اگر حضرت (مرزا صاحب) کی وفات ہو جائے اور یہ لڑکی نکاح میں نہ آوے تو میری عقیدت میں تزلزل نہیں آ سکتا“

لے ریویو آف ریلیجنز قادیان جلد ۷ نمبر ۷۶، ۷۷ جون و جولائی ۱۹۰۸ء، صفحہ ۲۷۹ (ماخوذ از قادیانی مذہب)

باب چہارم

تحریک قادیانیت کا تنقیدی جائزہ

فصل اول

ایک مستقل مذہب اور ایک متوازی امت

ایک غلط فہمی | قادیانیت کے بارے میں ایک عام غلط فہمی یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے صدا
دینی و علمی اختلافات اور مکاتب فکر میں سے ایک دینی و علمی اختلاف
رہے اور ایک خاص مکتب فکر ہے اور اس کے پیروائیت اسلامیہ کے مذہبی فرقوں اور
جماعتوں میں سے ایک مذہبی فرقہ اور جماعت ہیں اور یہ اسلام کی کلامی و فقہی تاریخ کا کوئی
انوکھا واقعہ نہیں۔

لیکن قادیانیت کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ کرنے سے یہ غلط فہمی اور خوش گمانی
دور ہو جاتی ہے اور ایک منصف مزاج اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ قادیانیت ایک مستقل
مذہب اور قادیانی ایک مستقل امت ہیں جو دین اسلام اور امت اسلامیہ کے بالکل متوازی
چلے ہیں اور اس کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ مرزا بشیر الدین محمود صاحب کے اس بیان میں کوئی مبالغہ
اور غلط بیانی نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ میرے
کانوں میں گونجتے رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

”یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف فاتح مسیح
یا اور چند مساکین میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ذات، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن
نماز روزہ، حج، زکوٰۃ غرض کہ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک چیز میں

ہیں اُن سے اختلاف ہےؕ

اور یہ کہ

”حضرت خلیفہؒ اول نے اعلان کیا تھا کہ ان کا (مسلمانوں کا) اسلام

افد ہے اور ہمارا اُور ہےؕ“

اسلام کی تاریخ میں اس سے پہلے ایک اور تحریک کی نظیر ملتی ہے جس نے اسلام کا نام لیتے ہوئے اور اپنے دائرہ عمل کو مسلمانوں کے اندر محدود رکھتے ہوئے اسلام کے نظام عقائد و افکار اور نظام زندگی کے بالکل متوازی ایک نظام اعتقاد و فکر اور ایک نظام زندگی کی بنیاد ڈالی اور اسلام کے دائرہ میں ”ریاست اندرون ریاست“ کی تعمیر کی کوشش کی۔ یہ تحریک باطنیت ہے یا اسماعیلیت جس سے قادیانیت کو حیرت انگیز مماثلت حاصل ہےؕ

قادیانی تحریک اسلام کے دینی نظام | قادیانی تحریک کا متوازی مذہبی نظام اور زندگی کے ڈھانچے کے مقابلے میں

ایک نیا دینی نظام اور زندگی کا نیا ڈھانچہ پیش کرتی ہے۔ وہ دینی زندگی کے تمام شعبوں اور مطالبوں کو بطور خود خانہ پُری کرنا چاہتی ہے۔ وہ اپنے پیروؤں کو جدید نبوت، جدید کرمیت و عقیدت، نئی دعوت، نئے روحانی مرکز اور مقدسات، نئے مذہبی شعائر، نئے عقائد، نئے اکابر، نئی تاریخی شخصیتیں عطا کرتی ہے۔ غرض یہ کہ وہ قلب و دماغ اور فکر و اعتقاد کا نیا مرکز قائم کرتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جو اس کے ایک فرقہ اور فقہی یا کلامی دبستان یا مکتب خیال سے زیادہ ایک مستقل مذہب اور نظام زندگی کی شکل عطا کرتی ہے۔ اس کے اندر اس بات

لے خطبہ جمعہ مزار شریف الدین محمد صاحب مندرجہ اخبار الفضل مورخہ ۲ جولائی ۱۹۳۷ء لے ایفامورخہ ۳ ستمبر ۱۹۱۷ء لے ملاحظہ ہو ہمارا اسماعیلی مذہب اور اس کا نظام۔ از ڈاکٹر زاہد علی پروفیسر نظام کالج حیدر آباد

کا ایک واضح رجحان پایا جاتا ہے کہ وہ نئی مذہبی بنیادوں پر ایک نئے معاشرے کی تعمیر کرے اور مذہبی زندگی کو ایک نئی شکل اور مستقل وجود بخشنے۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ جو افراد خلوص اور جوش کے ساتھ اس تحریک و دعوت کو قبول کرتے ہیں اور اس کے دائرہ میں آجاتے ہیں ان کے فکر و اعتقاد کا مرکز بدل جاتا ہے اور ان کی زندگی میں قدیم دینی مرکزوں اور اداروں (اپنے وسیع معنی میں) اور شخصیتوں کی جگہ پر جدید دینی مرکز اور ادارے اور شخصیتیں آجاتی ہیں اور وہ ایک نئی امت بن جاتے ہیں جو اپنے جذبات، طریق فکر، عقیدت و محبت میں ایک مستقل شخصیت اور وجود کے مالک ہوتے ہیں۔ انفرادیت اور تقابل کا یہ رجحان قادیانیت کے اندر شروع سے کام کر رہا ہے اور اب وہ بلوغ و پختگی کے اس درجہ پر پہنچ گیا ہے کہ قادیانی اصحاب بے تکلفی اور سادگی کے ساتھ اسلامی شعائر و مقدسات کے ساتھ قادیانی شعائر و مقدسات کا مقابلہ کرتے ہیں اور ان کا ہم پلہ اور مساوی قرار دیتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسلام کے دینی نظام میں جو مرکز و مقام حاصل ہے۔ وہ غاسر ہے، لیکن قادیانی اصحاب مرزا صاحب کے رتھا وادہ ہم نشینوں کو صحابہ رسول ہی کا درجہ دیتے ہیں۔ ایک قادیانی ذمہ دار اس ذہنیت کی اس طرح ترجمانی کرتے ہیں:

”ان دونوں گروہوں (صحابہ کرام اور رفقاء مرزا غلام احمد صاحب) میں تفریق کرنی یا ایک کو دوسرے سے مجموعی رنگ میں افضل قرار دینا ٹھیک نہیں ہے۔ دونوں فرقے درحقیقت ایک ہی جماعت میں ہیں، صرف مازہ کا فرق ہے۔ وہ بعثت اولیٰ کے تربیت یافتہ ہیں اور یہ بعثت ثانیہ کے۔ اسی طرح وہ مرزا غلام احمد صاحب کے مدفن کو مقدر رسول اور گنبد خضر اکامال

لہ الفضل ۲۸ مئی ۱۹۱۸ء

شبیہ بتاتے ہیں۔ ”الفضل“ نے ۸ دسمبر ۱۹۷۲ء کی اشاعت میں قادیان کے شعبہ تربیت کا یہ بیان شائع کیا تھا جس میں ان شرکائے جلسہ کی دینی بے حسی اور بدزدنی کی شکایت کئے ہوئے جو قادیان حاضر ہونے کے باوجود مرزا صاحب کے مدفن پر حاضری نہیں دیتے کہا گیا ہے:

”کیا حال ہے اس شخص کا جو قادیان دارالامان میں آئے

اور دو قدم چل کر مقبرہ بہشتی میں حاضر نہ ہو۔ اس میں وہ روضہ مطہرہ ہے جس میں اس خدا کے برگزیدہ کا جہم مبارک مدفون ہے جسے افضل الرسل نے اپنا سلام بھیجا اور جس کی نسبت حضرت خاتم النبیین نے فرمایا: يُدْفَنُ مَعِيَ فِي قَبْرِي۔ اس اعتبار سے گنبد خضر کے انوار کا پورا پورا پر آپ کو اس گنبد بیضا پر پڑ رہا ہے اور آپ گویا ان بکاسے حصہ لے سکتے ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرقد منور سے مخصوص ہیں، کیا ہی بد قسمت ہے وہ شخص جو احمدیت کے حج اکبر میں اس تمتع سے محروم ہے۔“

قادیانی اصحاب اس دینی و روحانی تعلق کی بنا پر جو نبی نبوت اور نئے اسلام کا مرکز ہونے کی بنا پر قادیان کے ساتھ قائم ہوتا ہے، یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ قادیان اسلام کے مقامات میں سے ایک اہم ترین اور عظیم ترین مقام ہے اور وہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے ساتھ قادیان کا نام لینا ضروری سمجھتے ہیں۔ مرزا بشیر الدین محمود صاحب اپنی ایک تقریر میں فرمایا:

”ہم مدینہ منورہ کی عزت کر کے خانہ کعبہ کی ہتک کرنے والے

نہیں ہو جاتے، اسی طرح ہم قادیان کی عزت کر کے مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ کی توہین کرنے والے نہیں ہو سکتے۔ خدا تعالیٰ نے ان تینوں مقامات کو مقدس

کیا اودان تینوں مقامات کو اپنی تجلی کے اظہار کے لئے چنا۔
 خود مرزا غلام احمد صاحب قادیان کو سرزمین حرم سے تشبیہ و تمثیل دی ہو وہ فرماتے ہیں:
 زمین قادیان اب محترم ہے ہجوم خلق سے ارض حرم ہے
 اُن کے نزدیک قادیان کا ذکر قرآن میں موجود ہے اور مسجد اقصیٰ سے مراد مسیح موعود
 کی مسجد ہے۔ منارۃ المسیح کے اشتہار (۲۸ مئی ۱۹۰۷ء) میں اپنے لکھا ہے:
 ”جیسا کہ سیرمکانی کے لحاظ سے خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کو مسجد حرام سے بیٹا المقدس تک پہنچا دیا تھا ایسا ہی سیرمکانی
 کے لحاظ سے آں جناب کو شوکت اسلام کے زمانہ سے جو آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کا زمانہ تھا برکات اسلامی کے زمانہ تک جو مسیح موعود کا زمانہ ہو
 پہنچا دیا۔ پس اس پہلو کی رو سے جو اسلام کے انتہائے زمانہ تک آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کا سیرکشی ہے۔ مسجد اقصیٰ سے مراد مسیح موعود کی مسجد
 ہے جو قادیان میں واقع ہے جس کی نسبت براہین احمدیہ میں خدا کا کلام
 یہ ہے: مبارک و مبارک و کل امر مبارک من جعل فیہ اور
 یہ مبارک کا لفظ جو بصیغہ مفعول اور فاعل واقع ہوا، قرآن شریف کی آیت
 بارکنا حوالہ کے مطابق ہے۔ پس کچھ شک نہیں جو قرآن شریف میں قادیان
 کا ذکر ہے۔“

ان سب بیانات اور قادیان کے بارے میں اعتقادات کا منطقی اور طبعی نتیجہ یہی ہونا
 چاہیے تھا کہ اس کے لئے شہرِ حال کر کے سفر کرنے اور ماہ سال بسال حاضر ہونے کو

لے تذکرہ یعنی مجموعہ وحی مقدس صفحہ ۳۲۵، ۳۲۶

حج ہی کا سا ایک مقدس عمل بلکہ ایک طرح کا حج سمجھا جانے لگے۔ چنانچہ قادیانیت کے رہنماؤں اور
 دہرہ داروں نے سفر قادیان کو ظلی حج کا لقب دیا ہے اور اسکو ان لوگوں کے لئے جو خانہ کعبہ
 کے حج کو نہ جاسکیں ”حج اسلام کا“ حج بدل“ قرار دیا ہے۔ مرزا بشیر الدین محمود صاحب نے
 اپنے ایک خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا:

”چونکہ حج پر وہی لوگ جاسکتے ہیں جو قدرت رکھتے اور امیر ہوں،
 حالانکہ الہی تحریکات پہلے غریبوں میں پھیلتی اور سنی ہیں اور غریب کو حج سے
 شریعت نے معذور رکھا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایک اور ظلی حج مقرر
 کیا تا وہ قوم جس سے وہ اسلام کی ترقی کا کام لینا چاہتا ہے اور تا وہ
 غریب یعنی ہندوستان کے مسلمان اس میں شامل ہو سکیں۔“

اس بارے میں اتنا غلو ہونے لگا کہ قادیان کے سفر کو حج بیت اللہ پر ترجیح دی جانے
 لگی اور یہ اس ذہنیت کا لازمی و قدرتی نتیجہ ہے کہ قادیانیت ایک زندہ اور جدید مذہب اور
 اس کا مرکز ایک زندہ اور جدید مذہب کا روحانی مرکز مقرر ہے جس سے نئی زندگی اور
 نئی مذہبی توانائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اسی بنا پر ایک قادیانی بزرگ نے ارشاد فرمایا کہ
 ”جیسے احمدیت کے بغیر پہلا یعنی حضرت مرزا صاحب کو چھوڑ کر جو
 اسلام باقی رہ جاتا ہے وہ خشک اسلام ہے اسی طرح اس حج ظلی کو چھوڑ کر
 مکہ والا حج بھی خشک حج رہ جاتا ہے کیونکہ وہاں پر آج کل کے حج کے
 مقاصد پورے نہیں ہوتے۔“

انفرادیت کا رجحان اور ایک مستقل دین اور نئی تاریخ کے آغاز کا احساس اتنا

بڑھ گیا کہ قادیانی حضرات نے اپنی نئی تقویم کی بنیاد ڈال دی اور سال کے مہینوں کے نئے ناموں سے تاریخ لکھنے لگے۔ قادیانیت کے سرکاری ترجمان ”الفضل“ میں مہینوں کے جو نام چھپتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

صلح ، تبلیغ ، امان ، شہادت ، ہجرت ، احسان ، وفا ، ظہور ،

تبوک ، اخاء ، نبوت ، فتح : www.KitaboSunnat.com

خالص ہندوستانی مذہب کی حیثیت کا قادیانیت کا خیر مقدم

ان مذہبی تصورات اور انفرادیت کے رجحانات کا نتیجہ یہ ہے کہ مذہب و تحریک قادیانیت کا دینی، روحانی سیاسی مرکز بچلے جزیرۃ العرب اور مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ کے (جو اسلام کا گہوارہ اور اس کی زندگی کا سرچشمہ اور ابدی مرکز ہیں) قادیان بننے لگا جو اس نئے مذہب و تحریک کے ظہور اور نشوونما کا مرکز ہے۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہو گا کہ قادیانیت اور اس کے پیروں کی وابستگی عرب و حجاز سے روز بروز کم ہوتی چلی جائے گی اور اس کی پچھپیاں اور توجہات ہندوستان میں محدود ہونے لگیں گی جس کی سرزمین سے یہ دعوت و تحریک اٹھی اور جس کی خاک سے اس کا بانی اور داعی پیدا ہوا اور بالآخر اسی میں نشوونما پا کر اور اپنی زندگی کی منزلیں طے کر کے دفن ہوا۔ یہ اس آغاز اور طریق فکر کا قدرتی نتیجہ ہے جو اپنے وقت پر ظہور پذیر ہو گا اور جس طرح درخت کے پھل پر کسی کو تعجب نہیں ہونا چاہیئے۔ اس تحریک و دعوت کے مزاج اور اس کے طریق کار کے اس منطقی نتیجہ پر بھی تعجب کا کوئی موقع نہیں۔

قادیانیت کے اس مزاج اور اس کے اس رخ کا ہندوستان کے اقلیہ پرستوں نے پر جوش خیر مقدم کیا جن کو ہندوستان کے مسلمانوں سے یہ پرانی شکایت ہے کہ ان کی اصلی

دائستگی سرزمینِ حجاز سے ہے اور وہ ہمیشہ عرب کی طرف دیکھتے ہیں۔ اس عنصر کے نزدیک ہندوستانی قومیت متحدہ کے لئے یہ بات تشویش اور انتشار کا باعث ہے کہ ملک کی آبادی کا ایک اہم اور بڑا تعدادِ عنصر ایک بیرونی ملک سے روحانی و قلبی تعلق رکھے اور اس کا دینی مرکز، اس کی روحانی شخصیتیں، اس کے مقاماتِ مقدسہ اور اس کا عزیز ترین تاریخی شہر ہندوستان کے بجائے کسی اور ملک یا حصہ زمین میں ہو۔ ہندوستان کے اس قوم پرست عنصر نے قادیانیت کا اس حیثیت پر جوش استقبال کیا ہے کہ وہ ایک خالص ہندوستانی تحریک ہے اور اس کا مرکز ہندوستان سے باہر ہونے کے بجائے ہندوستان کے اندر ہے۔ ان کے نزدیک ہندوستان کی مشترک قومیت کے نقطہ نظر سے یہ ایک بڑا امتزاجی بحث اور اطمینان آفریں رجحان اور امید کی ایک کرن ہے۔ ایک ہندو اخبار نے ایک ہندو مضمون نگار ڈاکٹر شکر داس نے بڑی خوبی کے ساتھ اس عنصر کی ترجمانی کی ہے اور اس تبدیلی کو بیان کیا ہے جو احمدیت ایک مسلمان کے ذہن اور رُخ میں پیدا کر دیتی ہے۔ انھوں نے اس نکتہ کو سمجھنے میں بڑی ذہانت کا ثبوت دیا ہے کہ قادیانیت ایک اسلامی فرقہ نہیں بلکہ ایک مستقل مذہب اور ایک متوازی قوم ہے جو خالص ہندوستانی بنیادوں پر ایک نئے مذہب اور ایک نئے معاشرہ کی تعمیر کرتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

”سب سے اہم سوال جو اس وقت ملک کے سامنے درپیش ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے اندر کس طرح قومیت کا جذبہ پیدا کیا جائے کبھی ان کے ساتھ سودے، معاہدے اور پیکٹ کئے جاتے ہیں کبھی لالچ دے کر ساتھ لانے کی کوشش کی جاتی ہے مگر کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ ہندوستانی مسلمان اپنے آپ کو ایک الگ قوم تصور کئے بیٹھے

ہیں اور وہ دن رات عرب کے ہی گیت گاتے ہیں۔ اگر ان کا بس چلے تو وہ ہندوستان کو بھی عرب کا نام دے دیں۔

اس تاریکی میں اس مایوسی کے عالم میں ہندوستانی قوم پرستوں اور محبانِ وطن کو ایک ہی امید کی شمع دکھائی دیتی ہے اور وہ آشا کی جھلک احمدیوں کی تحریک ہے۔ جس قدر مسلمان احمدیت کی طرف راغب ہوں گے وہ قادیان کو اپنا مکہ تصور کرنے لگیں گے اور آخر میں محبِ ہند اور قوم پرست بن جائیں گے۔ مسلمانوں میں احمدیہ تحریک کی ترقی ہی عربی تہذیب اور پان اسلامزم کا خاتمہ کر سکتی ہے۔ آدھم احمدیہ تحریک کا قومی نگاہ سے مطالعہ کریں۔ پنجاب کی سرزمین میں ایک شخص مرزا غلام احمد قادیانی اٹھتا ہے اور مسلمانوں کو دعوت دیتا ہے کہ اے مسلمان! خدا نے قرآن میں جس نبی کے آنے کا ذکر کیا ہے وہ میں ہی ہوں، آؤ میرے جھنڈے تلے جمع ہو جاؤ۔ اگر نہیں آؤ گے تو خدا تعالیٰ قیامت کے روز نہیں بخشے گا اور تم دوزخی ہو جاؤ گے۔ میں مرزا صاحب کے اس اعلان کی صداقت یا بطلان پر بحث نہ کرتے ہوئے صرف یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ مرزائی مسلمان بننے سے مسلمانوں میں کیا تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ ایک مرزائی مسلمان کا عقیدہ ہے کہ

۱۔ خدا سے سچے لوگوں کی رہبری کے لئے ایک انسان پیدا کرتا ہے جو اس وقت کا نبی ہوتا ہے۔

۲۔ خدا نے عرب کے لوگوں میں ان کی اخلاقی گراؤٹ کے زمانہ میں حضرت

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا۔

۳۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خدا کو ایک نبی کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس لئے مرزا صاحب کو بھیجا کہ وہ مسلمانوں کی بہنائی کریں۔

میرے قوم پرست بھائی سوال کریں گے کہ ان عقیدوں ہندوستانی قوم پرستی کا کیا تعلق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح ایک ہندو کے مسلمان ہو جانے پر اس کی شروعات اور عقیدت رام کرشن، بوید، گیتا اور رامائن سے اٹھ کر قرآن اور عرب کی بھومی میں منتقل ہو جاتی ہے اسی طرح جب کئی مسلمان احمدی بن جاتا ہے تو اس کا زاد دیکھا بدل جاتا ہے۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اس کی عقیدت کم ہوتی چلی جاتی ہے علاوہ بریں جہاں اس کی خلافت پہلے عرب اور ترکستان (ترکی) میں تھی اب خلافت قادیان میں آجاتی ہے اور مکہ مدینہ اسکے لئے روایتی مقامات مقدسہ رہ جاتے ہیں۔

کوئی بھی احمدی چاہے عرب، ترکستان، ایران یا دنیا کے کسی بھی گوشہ میں بیٹھا ہو، وہ روحانی شکتی کے لئے قادیان کی طرف منہ کرتا ہے۔ قادیان کی سرزمین اس کے لئے پنیہ بھومی (سرزمین نجات) ہے اور اسی میں ہندوستان کی فضیلت کا راز پنہاں ہے ہر احمدی کے دل میں ہندوستان کے لئے پریم ہو گا کیونکہ قادیان ہندوستان میں ہی مرزا صاحب بھی ہندوستانی تھے۔ اور اب جتنے خلیفہ اس فرقہ کی رہبری کر رہے ہیں وہ سب ہندوستانی ہیں۔“

آگے چل کر لکھتے ہیں:

”یہی ایک وجہ ہے کہ مسلمان احمدیہ تحریک کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ احمدیت ہی عربی تہذیب اور اسلام کی دشمن ہے خلافت تحریک میں بھی احمدیوں نے مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیا، کیونکہ وہ خلافت کو بجائے ترکی یا عرب میں قائم کرنے کے قادیان میں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بات عام مسلمانوں کے لئے جو ہر وقت پان اسلامزم و پان عربی سنگٹھن کے خواب دیکھتے ہیں کتنی ہی مایوس کن ہو، مگر ایک قوم پرست کے لئے باعث سرت ہے“

۱۷ مضمون ڈاکٹر شکر داس مہرہ بی، ایس سی۔ ایم بی، بی، ایس۔ مندرجہ اخبار ”بندے ماترم“ مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۳۷ء۔ منقول از قادیانی مذہب ”از پروفیسر الیاس برنی“۔

فصل دوم

نبوتِ محمدی کے خلاف بغاوت

ختمِ نبوتِ انعامِ خداوندی اور امتِ اسلامیہ کا امتیاز ہے | یہ عقیدہ کہ دین مکمل ہو چکا ہے اور محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری پیغمبر اور خاتم النبیین ہیں اور یہ کہ اسلام خدا کا آخری پیغام اور زندگی کا مکمل نظام ہے ایک انعامِ خداوندی اور مہربانی الہی تھا جس کو خدا نے اس امت کے ساتھ مخصوص کیا۔ اسی لئے ایک یہودی عالم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے اس پر بڑے رشک اور حسرت کا اظہار کیا اور کہا کہ قرآن کی ایک آیت ہے جس کو آپ پڑھتے رہتے ہیں۔ اگر وہ ہم یہودیوں کی کتاب میں نازل ہوتی اور ہم سے متعلق ہوتی تو ہم اس دن کو جس میں یہ آیت نازل ہوئی چاہتا توئی تہوار اور یومِ جشن بنا لیتے۔ اس کی مراد سورہ مائدہ کی اسی آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَنۡعَمْتُ عَلَیْکُمْ لَعَلَّکُمْ تَرۡحَمٰنِیۡنَ لَکُمُ الْاِسْلَامُ دِیۡنًا وَاَسَیۡتُ عَلَیۡکُمۡ اِنْ کُنۡتُمْ اٰمِنٰتِیۡنَ اور تم کی جلال و عظمت اور اس اعلان کی اہمیت انکار نہیں کیا صرف اتنا فرمایا کہ ہمیں کسی نئے یومِ مسرت کی ضرورت نہیں۔ یہ آیت خود ایسے موقع پر نازل ہوئی ہے جو اسلام میں ایک عظیم الشان اجتماع اور عبادت کا دن ہے۔ اس موقع پر مسجِد و عیدیں جمع تھیں، یومِ عرفہ (۹ ذی الحجہ) اور ذریعہ

اس عقیدہ نے اسلام کو انتشار پیدا کرنے والی ذمہ داری انتشار سے حفاظت اور ملت کو پارہ پارہ کرنے والی تحریکات

اور دعوتوں کا شکار ہونے سے بچایا جو تاریخ اسلام کی طویل مدت اور عالم اسلام کے وسیع رقبہ میں وقتاً فوقتاً سر اٹھاتی رہیں۔ اسی عقیدہ کا فیض تھا کہ اسلام ان مدعیان نبوت اور تحریفین اسلام کا بازچیمہ اطفال بننے سے محفوظ رہا جو تاریخ کے مختلف وقفوں اور عالم اسلام کے مختلف گوشوں میں پیدا ہوتے رہے۔ ختم نبوت کے اسی جھار کے اندر یہ لکت ان مدھیوں کے دستبردار و دیورش سے محفوظ رہی جو اس کے ڈھانچے کو بدل کر ایک نیا ڈھانچہ بنانا چاہتے تھے اور وہ ان تمام سازشوں اور خطرناک حملوں کا مقابلہ کر سکی جن سے کسی پیغمبر کی امت اس سے پہلے محفوظ نہیں رہی اور اتنے طویل عرصہ تک اس کی دینی اور اعتقادی یکسانیت قائم رہی۔ اگر یہ عقیدہ اور جھار نہ ہوتا تو یہ امت واحدہ ایسی مختلف اور متعدد امتوں میں تقسیم ہو جاتی جن میں سے ہر امت کا روحانی مرکز الگ ہوتا۔ علی و تہذیب سرشتیہ الگ ہوتا ہر ایک کی الگ تاریخ ہوتی ہر ایک کے الگ اسلاف اور مذہبی پیشوا اور عقائد ہوتے ہر ایک کا الگ ماضی ہوتا۔

ختم نبوت کا زندگی اور تمدن پر احسان عقیدہ ختم نبوت درحقیقت نوع انسانی کے لئے ایک شرف امتیاز ہے وہ اس

بات کا اعلان ہے کہ نوع انسانی سب بلوغ کو پہنچ گئی ہے اور اس میں یہ لیاقت پیدا ہو گئی ہے کہ وہ خدا کے آخری پیغام کو قبول کرے۔ اب انسانی معاشرے کو کسی نئی وحی، کسی نئی آسمانی پیغام کی ضرورت نہیں۔ اس عقیدے سے انسان کے اندر خود اعتمادی کی روح پیدا ہوتی ہے۔ اس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دین اپنے نقطہ عروج کو پہنچ چکا ہے اور اب دنیا کو اس سے صحیحے جانے کی ضرورت

نہیں، اب دنیا کو نئی وحی کے لئے آسمان کی طرف دیکھنے کے بجائے خدا کی پیدا کی ہوئی طاقتوں سے فائدہ اٹھانے اور خدا کے نازل کئے ہوئے دین و اخلاق کے بنیادی اصولوں پر زندگی کی تنظیم کے لئے زمین کی طرف اور اپنی طرف دیکھنے کی ضرورت ہے۔ عقیدہ ختم نبوت انسان کو پیچھے کی طرف لے جانے کے بجائے آگے کی طرف لے جاتا ہے۔ وہ انسان کے سامنے اپنی طاقتوں کو صرف کرنے کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ وہ انسان کو اپنی جدوجہد کا حقیقی میدان اور رُخ بتلاتا ہے۔ اگر ختم نبوت کا عقیدہ نہ ہو تو انسان ہمیشہ تذبذب و بے اعتمادی کے عالم میں رہے گا۔ وہ ہمیشہ زمین کی طرف دیکھنے کے بجائے آسمان کی طرف دیکھے گا۔ وہ ہمیشہ اپنے مستقبل سے غیر مطمئن اور متشکک رہے گا۔ اس کو ہر مرتبہ ہر نیا شخص یہ بتلائے گا کہ گلشنِ انسانیت اور روضہ آدم ابھی نامکمل تھا، اب وہ برگِ بار سے مکمل ہوا ہے اور وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوگا کہ جب اس وقت تک یہ نامکمل رہا تو کفئہ کی کیا ضمانت ہے اس طرح وہ بجائے اسکی آبیاری اور اس کے پھولوں اور پتھروں سے متمتع ہونے کے نئے باغبان کا منتظر رہے گا جو اس کو برگِ بار سے مکمل کیسے۔

اسلام کے خلاف وقتاً فوقتاً جو تحریکیں اٹھیں
قادیانیت کی جسارت اور جہت ان میں قادیانیت کو خاص امتیاز حاصل

ہے۔ وہ تحریکیں یا تو اسلام کے نظامِ حکومت کے خلاف ہیں یا شریعتِ اسلامی کے خلاف لیکن قادیانیت درحقیقت نبوتِ محمدی کے خلاف ایک سازش ہے۔ وہ اسلام کی ابدیت اور امت کی وحدت کو چیلنج ہے۔ اس نے ختم نبوت سے انکار کر کے اس سرحدی خط کو بھی عبور کر لیا جو اس امت کو دوسری امتوں سے ممتاز و منفصل کرتا ہے اور جو کسی مملکت

لے ملاحظہ فرمادے صاحبِ کاشعرو:

روضہ آدم کہ تھا وہ نامکمل اب تلک میرے آنے سے ہوا کامل بجلہ برگ بار

کے حدود کو حافر کرنے کے لئے قائم کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال نے اپنے ایک انگریزی مضمون میں جو ہندوستان کے مشہور اخبار اسٹیٹس مین (STATESMAN) میں شائع ہوا تھا بڑی خوبی سے قادیانیت کی اس جسارت اور جدت کو واضح کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

”اسلام لازماً ایک دینی جماعت ہے جس کے حدود مقرر ہیں یعنی

یعنی وحدت، اُلوہیت پر ایمان، انبیاء پر ایمان اور رسولِ کریمؐ کی ختم رسالت پر ایمان اور اصل یہ آخری یقین ہی وہ حقیقت ہے جو مسلم اور غیر مسلم کے درمیان وجہ امتیاز ہے اور اس امر کے لئے قیصلہ کر رہے کہ فرد یا گروہ ملتِ اسلامیہ میں شامل ہے یا نہیں۔ مثلاً برہمن سماج خدا پر یقین رکھتے ہیں اور رسولِ کریمؐ کو خدا کا پیغمبر مانتے ہیں لیکن انھیں ملتِ اسلامیہ میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ قادیانیوں کی طرح وہ انبیاء کے ذریعہ وحی کے تسلسل پر ایمان رکھتے ہیں اور رسولِ کریمؐ کے ختم نبوت کو نہیں مانتے جہاں تک مجھے معلوم ہے کوئی اسلامی فرقہ اس حد فاصل کو عبور کرنے کی جسارت نہیں کر سکا۔ ایران میں بہائیوں نے ختم نبوت کے اصول کو صریحاً جھٹلایا لیکن ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ وہ الگ جماعت ہیں اور مسلمانوں میں شامل نہیں ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ اسلام بحیثیت دین کے خدا کی طرف سے ظاہر ہوا لیکن اسلام بحیثیت سوسائٹی یا ملت کے رسولِ کریمؐ کی شخصیت کا مرکب ہونے میں منت ہے۔ میری رائے میں قادیانیوں کے سامنے صرف دو راہیں ہیں۔ یا وہ بہائیوں کی تقلید کریں یا ختم نبوت کی تادیلوں کو چھوڑ کر اس اصول کو پورے مفہوم کے ساتھ قبول کر لیں۔ ان کی جدید

”اولیں محض اس غرض سے ہیں کہ ان کا شمار حلقہ اسلام میں ہوتا کہ انہیں سیاسی فوائد پہنچ سکیں۔“

ایک دوسرے مضمون میں لکھتے ہیں:

”مسلمان اُن تحریکوں کے مقابلہ میں زیادہ حساس ہے جو اس کی وحدت کے لئے خطرناک ہیں چنانچہ برہمنی جماعت جو تاریخی طور پر اسلام سے وابستہ ہو لیکن اپنی بناوٹی نبوت پر رکھے اور بزعم خود اپنے الہامات پر اعتقاد رکھنے والے تمام مسلمانوں کو کافر سمجھے، مسلمان اسے اسلام کی وحدت کے لئے ایک خطرہ تصور کرے گا اور یہ اس لئے کہ اسلامی وحدت ختم نبوت سے ہی استوار ہوتی ہے۔“

آگے چل کر لکھتے ہیں:

”یہ ظاہر ہے کہ اسلام جو تمام جماعتوں کو ایک رستی میں پر دے گا دعویٰ رکھتا ہے ایسی تحریک کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں رکھ سکتا جو اس کی موجودہ وحدت کے لئے خطرہ ہو اور مستقبل میں انسانی سوسائٹی کے لئے مزید افراق کا باعث ہے۔“

مرزا غلام احمد صاحب کی جدوجہد اور تحریک کا لازمی اور منطقی

دعویدارانِ نبوت نتیجہ ہونا چاہیے کہ نبوت کی حرمت و عظمت اور اس منصب کی اہمیت اور خوف اٹھ جائے۔ انہوں نے نبوت کے اجر اور تسلسل پر جو زور قلم صرف کیا اور اس کی جس طرح تبلیغ و اشاعت کی، انہوں نے الہام کو جو اہمیت دی اور اس پر جس

لے حرف اقبال صفحہ ۱۳۱، ۱۳۲ لے قادیانی اور جمہور مسلمان ”حرف اقبال“ صفحہ ۱۲۲، ۱۲۳

طرح نبوت کی بنیاد رکھی، اس کا نتیجہ یہی ہونا چاہیے کہ نبوت باذیچہ اطفال بن جائے۔ وہ اگرچہ نبوت کے اجراء و تسلسل کی تقریر محض اپنی نبوت کے امکان و ثبوت کے لئے کرتے ہیں اور ختم نبوت کا اظہار محض اپنی حد تک ہے ورنہ آنے والوں کیلئے وہ اپنے ہی کو خاتم النبیین سمجھتے ہیں۔ علامہ اقبال کے بلیغ الفاظ میں:

”خود بانی احمدیت کا استدلال جو قرون وسطیٰ کے متکلمین کے لئے زیبا ہو سکتا ہے یہ ہے کہ اگر کوئی دوسرا نبی پیدا ہو سکے تو پیغمبر اسلام کی روحانیت نامکمل رہ جائے گی۔ وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کہ پیغمبر اسلام کی روحانیت میں پیغمبر خیر وقت مہدی، خود اپنی نبوت کو پیش کرتا ہے لیکن آپ اس سے پھر دریافت کریں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت ایک سے زیادہ نبی پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے؟ تو اس کا جواب نفی میں ہے۔ یہ خیال اس بات کے مترادف ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی نہیں، میں آخری نبی ہوں۔ اس امر کے سمجھنے کے بجائے کہ ختم نبوت کا اسلامی تصور نوع انسانی کی تاریخ میں بالعموم اور ایشیا کی تاریخ میں بالخصوص کیا تہذیبی قدر رکھتا ہے۔ بانی احمدیت کا خیال ہے کہ ختم نبوت کا تصور ان معنوں میں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی پیرو نبوت کا درجہ حاصل نہیں کر سکتا،

لے خطبہ الہامی میں مرزا صاحب فرماتے ہیں: فكان خالسا موضع لبنة اعني المنعم عليه من هذه العماره فاداد الله ان يتكلم الانبياء ويكمل النبوة بالبنة الاخيرة ايها الناظرون رصفر ۱۱۱۲ خود ہی اس کا ترجمہ فرماتے ہیں ”اور اس عمارت میں ایک است کی جگہ خالی تھی یعنی منعم علیہم پس خدا نے ارادہ فرمایا کہ اس پیش گوئی کو پورا کرے اور آخری اینٹ کے ساتھ بنا کر کمال تک پہنچا دے۔ پس میں وہی اینٹ ہوں۔

خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ناکمل پیش کرتا ہے۔ جب میں بانی احمدیت کی نفسیات کا مطالعہ ان کے دعوئے نبوت کی روشنی میں کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے دعوئے کے ثبوت میں پیغمبر اسلام کی تخلیقی قوت کو صرف ایک بنی یعنی تحریک احمدیت کے بانی کی پیدائش تک محدود کر کے پیغمبر اسلام کے آخری نبی ہونے سے انکار کر دیتا ہے، اس طرح یہ نیا پیغمبر چپکے سے اپنے روحانی مورد کی ختم نبوت پر متصرف ہو جاتا ہے۔“

لیکن لوگوں کا ذہن اس نکتہ کے سمجھنے سے قاصر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت آفرین کی قوت ایک فرد واحد کے لئے مخصوص اور اس کی ذات تک محدود ہوا درنا سے پہلے اس قوت نے اپنا فعل کیا ہوا درنا اس شخص کے بعد جو بعثت محمدی کے تیرہ سو سال بعد آئے اور اس کے بعد معلوم نہیں دنیا کو کتنے ہزار سال تک رہنا ہے (فعل کر سکے، چنانچہ دوسروں کا ذکر خود مرید البشیر الدین محمود صاحب نے لکھا ہے کہ

”خدا تعالیٰ کافروں کی نسبت کہتا ہے ما قدر واللہ حق

قد ساء یعنی انھوں نے خدا تعالیٰ کی قدر کو نہیں سمجھا اور سمجھ لیا ہے کہ خدا کے خزانے ختم ہو گئے۔ اس لئے کسی کو کچھ نہیں دے سکتا۔ اسی طرح یہ کہتے ہیں کہ خواہ کتنا ہی زبرد و آقا میں جڑھ جائے، پر ہیز گاری اور تقویٰ میں کئی فیوں سے آگے گزرجائے معرفت الہی کو کتنا ہی حاصل کیے لیکن خدا اسکو کبھی نبی نہیں بنا یگا ان کا یہ سمجھنا خدا تعالیٰ کی قدر ہی کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے ورنہ ایک ہی کیا میں تو کہتا ہوں ہزاروں نبی ہوں گے“

چنانچہ مرزا غلام احمد صاحب کے بعد لوگوں کو نبوت کا دعویٰ کرنے کی عام جرات ہو گئی۔ ہم کو کم سے کم ہندوستان کی تاریخ میں جو خاصی حد تک تفصیل کے ساتھ محفوظ ہے اکبر کے سوا کسی شخصیت کا علم نہیں جس نے ختم نبوت کا انکار اور دین جدید کے ظہور کی جسارت کی ہو۔ اکبر نے بھی اس منظم اور واضح طریقہ پر جدید نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ لیکن مرزا صاحب کے بعد یہ دروازہ عمومی طور پر کھل گیا۔ پروفیسر ایسا س برنی صاحب نے ۵۵ء تک سات مدعیان نبوت کا حوالہ دیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر نہ یادہ اہتمام سے ان مدعیان نبوت کی ”مردم شماری“ ہو تو صرف پنجاب میں اس سے بہت زیادہ تعداد ثابت ہوگی۔ ان مدعیان نبوت کی کثرت اور خام خیالی پر خود مرزا بشیر الدین محمود صاحب نے احتجاج فرمایا:۔

انھوں نے ایک تقریر میں فرمایا:

”دیکھو ہماری جماعت میں ہی کتنے مدعی نبوت کھڑے ہو گئے ہیں۔ ان میں سے سوائے ایک کے سب کے متعلق یہ خیال رکھتا ہوں کہ وہ اپنے ٹوٹیک جھوٹ نہیں بدلتے۔ واقعہ میں ابتدا میں انھیں الہام ہوئے اور کوئی تعجب نہیں اب بھی ہوتے ہوں مگر نقص یہ ہوا ہے کہ انھوں نے اپنے الہاموں کو سمجھنے میں غلطی کھائی ہے۔ ان میں سے بعض سے مجھے ذاتی واقفیت ہے اور میں گواہی دے سکتا ہوں کہ ان میں اخلاص پایا جاتا تھا، خشیت اللہ پائی جاتی تھی۔ آگے خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ میرا یہ خیال کہاں تک درست ہے، مگر ابتداء میں ان کی حالت مخلصانہ تھی۔ ان کے الہاموں کا ایک حصہ خدائی الہاموں کا تھا، مگر نقص یہ ہو گیا کہ انھوں نے الہاموں کی حکمت کو نہ سمجھا اور ٹھوکر کھا گئے۔“

۱۹۳۵ء الفضل یکم جنوری ۱۹۳۵ء

تفریق بین المسلمین

ان "جدید نبوتوں" سے عالم اسلام میں جو زبردست انتشار
مسلمانوں میں جو عظیم تفریق اور امت واحده کی جوافسوس

تقسیم ہوگی اس کے تصور سے بھی ایک مسلمان کو وحشت ہوتی ہے۔ ملا دینیت اور مذہب بزاری
کے اس دور میں خود بخود لوگوں میں "انا الحق" اور "انا النبی" کہنے کا ذوق نہیں رہا، لیکن
مرزا غلام احمد صاحب کے لٹریچر کے اثر اور سبک سمرقادیانی مبلغین کی تبلیغ سے اگر آج
عالم اسلامی میں نبوت کے دعوے کا ذوق پیدا ہو جائے اور عالم اسلام کے مختلف گوشوں
میں مختلف اشخاص اپنا اپنا علم نبوت بلند کر دیں اور جو اس علم کے نیچے نہ آئے نبوت کے
لازمی نتیجے کے طور پر ان کی تکفیر شروع کر دیں تو عالم اسلام میں کیسا فتنی اور دینی انتشار
اور تصادم پیدا ہوگا اور کس طرح عالم اسلام مختلف دینی محاذوں میں تقسیم ہو جائیگا۔
اور جہالت رنگ و نسل اور قوم و وطن کی تفریق مٹانے اور ساری نوع انسانی کو ایک
دوسرے کا بھائی اور بہن بھائی بنانے آئی ہے وہ کس طرح دینی تعقیبات اور باہمی تفریق و تکفیر
کا شکار ہو کر رہ جائے گی۔ اس خطرہ کو مولوی محمد علی صاحب لاہوری نے بھی محسوس کیا اور
بڑی خوبی اور قوت کے ساتھ اپنے ایک مضمون میں اس کا اظہار کیا ہے، لیکن انہوں نے
غور نہیں کیا کہ اس خطرہ کا دروازہ مرزا غلام احمد صاحب نے کھولا ہے اور اسلام کی پوری تاریخ میں
وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے نبوت کے اجراء و تسلسل کو ایک دعوت اور تحریک کے طور پر پیش کیا ہے
مولوی محمد علی صاحب اہل بصیرت کو خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہم کون؟ خدا باغور کرو کہ اگر یہ عقیدہ میاں صاحب کا درست ہے کہ نبی آتے

رہیں گے اور ہزاروں نبی آئیں گے، جیسا کہ انہوں نے بالصراحت اقرار فرمایا

لے میاں صاحب اس عقیدہ کے مصنف یا مؤجد نہیں ہیں۔ انہوں نے تو صرف مرزا صاحب کی ترجمانی کی ہے

میں لکھ دیا ہے تو یہ ہزاروں گروہ ایک دوسرے کو کافر کہنے والے ہوں گے
یا نہیں اور اسلامی وحدت کہاں ہوگی؟ یہ بھی مان لو کہ وہ سارے ہی احمدی
جماعت میں ہی ہوں گے، پھر احمدی جماعت کے کتنے ٹکڑے ہوں گے۔

آخر گذشتہ سنتوں سے تم اتنے ناواقف نہیں ہو کہ کس طرح نبی کے آنے
پر ایک گروہ اس کے ساتھ اور ایک خلاف ہوتا ہے۔ وہ خلا جو محمد ﷺ
صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ٹھل دُنیا کی قوموں کو ایک کرنے کا ارادہ ظاہر کر چکا
ہے کیا اب وہ مسلمانوں کو اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا کہ ایک دوسرے
کو کافر کہہ رہے ہوں اور آپس میں کوئی تعلقات اخوت اسلامی کے نہ رہ گئے
ہوں۔ یاد رکھو اگر اسلام کو ٹل ادیان پر غالب کرنے کا وعدہ سچا ہے
تو یہ مصیبت کا دن اسلام پر کبھی نہیں آسکتا کہ ہزاروں نبی اپنی اپنی قوموں
علیحدہ علیحدہ لیے پھرتے ہوں اور ہزار ہا ڈیرھڈا اینٹ کی مسجدیں ہوں
جن کے بجا دی اپنی اپنی جگہ ایمان اور نجات کے ٹھیکہ دار بنے ہوئے
ہوں اور دوسرے تمام مسلمانوں کو کافر بے ایمان قرار دے رہے ہوں۔“

مرزا غلام احمد صاحب کا ایک مفروضہ جس
ایک غلط اور خطرناک مفروضہ نے اسلامی دین کے لئے بے چینی اور اسلامی
معاشرہ کے لئے انتشار کا ایک مستقل دروازہ کھول دیا ہے۔ یہ ہے کہ وہ مکالمات و
مخاطباتِ الہیہ کو مذہب کی صداقت کی شرط اور اتباع اور مجاہدات کا قدرتی نتیجہ تسلیم
کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک جس مذہب میں مکالمات و مخاطباتِ الہیہ کا سلسلہ جاری نہ ہو

لے رد تکفیر اہل قبلہ صفحہ ۴۹، ۵۰۔

ہو وہ مذہب مردہ اور باطل ہے، بلکہ شیطانی مذہب ہے اور جہنم کی طرف لے جاتا ہے اور جس مذہب کے پیرو نہ ہو و مجاہدہ کے باوجود اس دولت سے سرفراز نہ ہوں وہ گمراہ محروم اور ناپسندیدہ ہیں۔

وہ براہین اعمدیہ کی جلدیچم میں لکھتے ہیں:-

”ایسا نبی کیا عزت اور کیا مرتبت اور کیا تاثیر اور کیا قوت قدسیہ اپنی ذات میں رکھتا ہے جس کی پیروی کے دعوے کرنے والے صرف اندھے اور نابینا ہوں اور خدا تعالیٰ اپنے مکالمات و مخاطبات سے ان کی آنکھیں نہ کھولے۔ یہ کس قدر لغو اور باطل عقیدہ ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ بعد از حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وحی الہی کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا ہے اور آئندہ کو قیامت تک اس کی کوئی بھی امید نہیں۔ صرف ققنوں کی پوجا کرو۔ پس کیا ایسا مذہب کچھ مذہب ہو سکتا ہے جس میں براہ راست خدا تعالیٰ کا کچھ بھی پتہ نہیں لگتا۔ جو کچھ میں قصے ہیں اور کوئی اگرچہ اس کی راہ میں اپنی جان بھی فدا کرے، اس کی رضا جوئی میں فنا ہو جائے اور ہر ایک چیز پر اس کو اختیار کرے تب بھی وہ اس پر اپنی شناخت کا دروازہ نہیں کھولتا اور مکالمات اور مخاطبات سے اس کو مشرف نہیں کرتا۔“

میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں مجھ سے زیادہ بیزار ایسے مذہب سے اور کوئی نہ ہو گا۔ میں ایسے مذہب کا نام شیطانی مذہب رکھتا ہوں نہ کہ رحمانی اور میں یقین رکھتا ہوں کہ ایسا

مذہب جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔

مرزا صاحب نے مکالمات مخاطبات الہیہ کو معرفت و نجات اور صداقت

مکالمات کو شرط قرار دینے کے نتائج

حقانیت کی شرط قرار دے کر اس مذہب کو جس کو اللہ تعالیٰ نے سہل اور ہر شخص کے لیے قابل عمل قرار دیا تھا، نہایت مشکل اور نہایت محدود بنادیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرہ ۲۳)

اللہ تمہارے لیے آسان چاہتا ہے، دشواری نہیں چاہتا۔

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُم فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (الحج، ع ۱۰)

اور ہمیں رکھی تم پر دین میں کچھ مشکل -

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا (البقرہ ع ۴۰)

اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی کو مگر جس قدر اس کی گنجائش ہے۔

لیکن اگر معرفت و نجات کے لئے مکالمات و مخاطبات الہیہ شرط ہیں تو اس دین سے زیادہ دشوار چیز کوئی نہیں، اس لئے کہ بکثرت لوگ اس مکالمہ و الہام سے فطرۃً منابت نہیں رکھتے اور خواہ وہ کیسے ہی مجاہدات کریں مکالمہ و الہام کا دروازہ ان پر نہیں کھلتا۔ بہت سے لوگ اس سے فطری مناسبت رکھتے ہیں، مگر ان کو ان مجاہدات کی (جو مکالمہ اور مخاطبت الہیہ کے لئے شرط ہیں) فرصت یا توفیق نہیں۔ وہ عالمگیر مذہب جو ساری انسانیت کی فلاح کے لئے آیا ہے اور سب کو خدا کے دین کی دعوت دیتا ہے معرفت و نجات اور مغفرت و رضا اور وصول الی اللہ کے لئے ایسی کڑی شرط نہیں لگا سکتا جس کو

لے براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۸۳

کر وڑوں انسانوں میں سے چند پورا کر سکیں۔

پھر قرآن مجید میں مومنین اور فلاح یافتہ انسانوں کی صفات ملاحظہ ہوں۔ سورۃ المومنوں کا پہلا رکوع پڑھیے: **قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خُشِعُونَ** سورۃ الفرقان کا آخری رکوع پڑھیے: **وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا** اور محمد علی سورت کی پہلی آیت پڑھیے:

اس کتاب میں کچھ ٹک نہیں۔ راہ بتلائی ہے	أَلَمْ نَكُذِّبْكَ بِالْبَيِّنَاتِ
ڈرنے والوں کو، جو کہ یقین کرتے ہیں دیکھی	لَا سَبِيلَ فِيهِ إِلَّا هَدَىٰ لِلْمُتَّقِينَ
چیزوں کا اور تمام رکھتے ہیں نمانہ کو اور جو ہم	الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ
نہ روزی دی ہے ان کو اس میں خرچہ کرتے ہیں۔	الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ

(البقرہ ع ۱)

اس میں کہیں بھی مکالمہ الہی کو ہدایت و فلاح کی شرط قرار نہیں دیا گیا، بلکہ اس کے برعکس ایمان بالغیب کو ہدایت کی پہلی شرط قرار دیا گیا ہے اور ایمان بالغیب کا مفہوم یہی ہے کہ نبی کے اعتماد پر جس کے اللہ تعالیٰ اعتباری طور پر مکالمہ الہی کے لئے انتخاب فرماتا ہے (غیبی حقائق پر جو ہر تہا عقل اور حواس ظاہری کی مدد سے معلوم نہیں کئے جاسکتے تسلیم کیا جائے۔ اگر مرنے صاحب کا ارشاد تسلیم کر لیا جائے کہ مکالمہ الہی معرفت اور نجات کے لئے شرط ہے تو ایمان بالغیب کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور اس پر قرآن مجید کا اصرار سمجھ میں نہیں آتا۔

پھر یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی ہمارے سامنے ہے۔ پوچھا جاسکتا ہے کہ ان میں سے کتنے مکالمات و مخاطبات الہیہ سے سرفراز تھے؟ اور حدیث و تاریخ سے کتنوں کے متعلق ثابت کیا جاسکتا ہے کہ ان کو مکالمہ و مخاطبہ حاصل تھا؟ کوئی شخص جو

اُس دور کی تاریخ اور اس جماعت کے مزاج و حالات بلکہ انسانی طبائع و نفسیات سے واقف ہے اس کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ایک لاکھ افروغتجا و زاس قدسی جماعت کو مکالمہ و مخاطبہِ خداوندی حاصل تھا اور جب صحابہ کرام کا یہ حال تھا تو بعد کے لوگوں کا کیا ذکر؟

مکالمات و مخاطبات الہیہ کی یہ اہمیت اور عمومیت درحقیقت نبوت کے خلاف درپردہ

سلسلہ نبوت کے انکار کی رُوح

بناوٹ اور ایک مخفی سازش ہے مکالمات و مخاطبات کے اس عموم و تسلسل کے بعد عقلاً و عملاً سلسلہ انبیاء کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ قرآن مجید اور تمام آسمانی مذاہب نے انسانوں کی ہدایت اور معرفتِ الہی کے حصول، ذات و صفات اور منشاءِ خداوندی کی شناخت اور حقائقِ غیبی کے علم کو سلسلہ نبوت سے وابستہ اور مربوط کیا ہے۔ قرآن ہدایت یافتہ مومنین کی زبان سے کہتا ہے :

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ هَدٰ اَنَا
لِهٰذَا اَوْ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِیْ
لَوْلَا اَنْ هَدٰ اَنَا لَہٗدْنَا لَقَدْ جَاؤْ
رُسُلًا بِبَيِّنٰتٍ مِّنْ رَّبِّہِمْ (الاعراف ۷۰)

دوسری جگہ ذات و صفات کے بارے میں مشرکانہ و جاہلانہ خیالات و عقائد کی تردید کرتے ہوئے ارشاد ہے :

مُبٰحَبٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ
عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝ وَّسَلَامٌ عَلٰی
الرُّسُلِ ۝ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
وَالصُّفٰتُ ۷۵

پاک ذات ہے تیرے رب کی وہ
پروردگار عزت والا پاک ہے ان باتوں
سے جو بیان کرتے ہیں اور سلام ہے رسولوں
پر اور سب کی تعریف اللہ کو جو رب سارے جہان کا۔

بعثت انبیاء کی حکمت و مصلحت بتلاتے ہوئے فرماتا ہے :

لَعَلَّآ يَكُونُ لِلنَّاسِ
عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ

تاکہ لوگوں کے لئے اللہ پر الزام کا
موقع نہ رہے۔ رسولوں (کو پہنچنے) کے بعد

(النساء، ع ۲۳)

مرزا صاحب کے فلسفہ تسلسل و بقائے وحی اور مکالمات و مخاطبات الہیہ کے علوم
و لزوم پر اگر دقتِ نظر سے غور کیا جائے اور اس کی عملی تحلیل و تجزیہ کیا جائے تو اس میں
ختمِ نبوت کے بجائے سلسلہ نبوت کے انکار کی روح نظر آئے گی اور ہدایت و معرفت
الہی بھی مسموم و جدید تحریک استحضار ارواح (SPIRITUALISM) وغیرہ کی
طرح ایک روحانی تجربہ اور عمل بن کر رہ جائے گی۔

مکالمات کے سرچشمہ کا تعین | پھر ان مکالمات و مخاطبات الہی کی تنقید کا کیا
معیار ہے؟ اور اس کی کیا ضمانت ہے کہ انسان جو
کچھ سن رہا ہے وہ خود اس کے باطن کی آواز یا اس کے ماحول اور تربیت کی صدا
بازگشت یا اس کی اندرونی خواہشات اور اثرات کا نتیجہ نہیں؟ جن لوگوں نے مکاشفات
مکالمات کے قدیم مجموعے دیکھے ہیں ان کو معلوم ہے کہ ان کا کتنا بڑا حصہ ان غلط مفروضات
و نظریات کی تصدیق و تبلیغ کرتا تھا جو قدیم علم الاصلنام (MYTHOLOGY) نے پیدا
کر دیئے تھے۔ مصر کی فلاطونیت جدیدہ (NEO-PLATONISM) کے روحانی
مشاہدات اور ربانی مکالمات ملاحظہ ہوں! کیا ان کے مکاشفات اور مکالمات نے
اس وقت کے صنمیت اور فلسفیانہ مفروضات کی تصدیق نہیں کی؟ خود اسلامی دور میں
بعض اہل مکاشفہ و مکالمہ عقلِ آول سے مصافحہ کرنا اس سے ہم کلام ہونا بیان کرتے ہیں۔

جو محض فلسفہ قدیم بلکہ یونانی علم الاصنام کا ایک نہ بنی تخیل تھا۔ خود مرزا صاحب کے مکالمات و مخاطبات میں کتاب بڑا حصہ ان کے زمانہ ماحول اور تربیت کے تحت الشعور اثرات کا نتیجہ اور اس انحطاط پذیر اور مائل بزوال معاشرے کا عکس معلوم ہوتا ہے جس میں انھوں نے نشوونما پایا اور جس میں وہ اپنی دعوت کے کھرے ہوئے بلکہ کتاب بڑا حصہ وہ ہے جس کے متعلق ایک مبقر کو جو ہندوستان کی سیاسی تاریخ سے واقف ہے محسوس ہوتا ہے کہ اس کا سرچشمہ عالم غیب کے بجائے ہندوستان کا سیاسی اقتدار یا علی ہے۔ ڈاکٹر سر محمد قبال نے جو فلسفہ کے بھی عظیم فاضل ہیں انھوں نے مرزا صاحب کی تحریک اور ان کے مکالمات و ابہامات کا بھی نظر غائر سے مطالعہ کیا ہے اس حقیقت کو اپنے مخصوص علمی انداز میں خوب واضح کیا ہے۔ اس مضمون میں جو انھوں نے پنٹت جواہر لال نہرو کے بعض شبہات و سوالات کے جواب میں لکھا تھا۔ فرماتے ہیں:

”میں یہ ضرور کہوں گا کہ بانی احمدیت نے ایک آواز سنی لیکن اس امر کا تصفیہ کہ یہ آواز اس خدا کی طرف سے تھی جس کے ہاتھ میں زندگی اور طاقت ہے۔ یا لوگوں کے دعوائی افلاس سے پیدا ہوئی، اس تحریک کی نوعیت پر منحصر ہونا چاہیے جو اس آواز کی آفریدہ ہے اور ان افکار و جذبات پر بھی جو اس آواز نے اپنے سننے والوں میں پیدا کئے ہیں۔ قارئین یہ نہ سمجھیں کہ میں استعارات استعمال کر رہا ہوں۔ اقوام کی تاریخ حیات بتلاتی ہے کہ جب کسی قوم کی زندگی میں انحطاط شروع ہو جاتا ہے تو انحطاط ہی الہام کا ماخذ بن جاتا ہے اور اس قوم کے شعراء فلاسفہ، صوفیہ، مدبرین اس سے متاثر ہو جاتے ہیں

اور مبلغین کی ایک ایسی جماعت وجود میں آجاتی ہے جس کا مقصد واحد یہ ہوتا ہے کہ منطق کی سحر آفرین قوتوں سے اس قوم کی زندگی ہر اس پہلو کی تعریف و تحسین کرے جو نہایت ذلیل و قلیج ہوتا ہے۔ یہ مبلغین غیر شعوری طور پر پالیسی کو امید کے درخشاں لباس میں چھپا دیتے ہیں۔ کردار کے لسانی اقتدار کی بیخ کنی کرتے ہیں اور اس طرح ان لوگوں کی روحانی قوت کو مٹا دیتے ہیں جو ان کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان لوگوں کی قوتِ ارادی پر فورا غور کرو جنہیں اہام کی بنیاد پر یہ تلقین کی جاتی ہے کہ اپنے سیاسی جول کو اٹل سمجھو۔ پس میرے خیال میں وہ تمام ایکٹریجنوں نے احمدیت کے ڈرامہ میں حصہ لیا ہے زوال اور انحطاط کے ہاتھوں میں محض سادہ لوح کٹھ پتلی بنے ہوئے تھے۔

۷۷ حرف اقبال صفحہ ۱۵۸، ۱۵۹

فصل سوم

قادیانیت کی لاہوری شاخ اور اس کا عقیدہ اور تفسیر

مولوی محمد علی صاحب لاہوری شاخ کا موقف اور عقیدہ | قادیانیت کی اس شاخ نے جن کامرکز

قادیان اور اب رپورہ ہے اور جس کی قیادت مرزا غلام احمد صاحب فرزند اکبر مرزا بشیر الدین محمود صاحب کرتے ہیں، مرزا غلام احمد صاحب کی نبوت کے عقیدہ کو اپنی جماعت کی اساس بنایا ہے، وہ پوری وضاحت اور استقامت کے ساتھ اس عقیدہ پر قائم ہے۔ اس عقیدہ پر علمی و اسلامی نقطہ نظر سے جو تنقید کی جائے اور اس کو اسلام سے جس قدر بعید اور اس کے لئے خطرناک سمجھا جائے وہ درست ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس شاخ نے ایک واضح اور قطعی موقف اختیار کیا ہے اور اپنی اخلاقی جرات کا ثبوت دیا ہے اور اس میں کوئی مشبہ نہیں کہ وہ مرزا صاحب کے منشاکی صحیح ترجمانی و نمائندگی اور ان کی تعلیمات و تعریحات کی محض صداقتے باز گشت ہے۔

لیکن لاہوری شاخ کا موقف (جس کی قیادت مولوی محمد علی صاحب کرتے ہیں) بڑا عجیب اور ناقابل فہم ہے۔ مرزا صاحب کی تصنیفات اور تحریروں کا مطالعہ کرنے والا قطعی اور بدیہی طور پر دیکھتا ہے کہ وہ صاف صاف نبوت کے مدعی ہیں اور جو اس پر ایمان نہ لائے اس کی تکفیر کرتے ہیں۔ اگر الفاظ کے معنی متعین ہیں اور لغت اور اہل زبان کا قول

اس بارے میں قول فیصل ہے اور اگر یہ صحیح ہے کہ مرزا صاحب نے یہ کتابیں ملک کی زبان میں افادہ عام کے لئے لکھی ہیں تو اس میں شبہ باقی نہیں رہتا کہ وہ اپنی کتابوں میں پکار پکار کر رہا ہے ہیں کہ میں نبی ہوں، صاحب وحی ہوں، صاحب لہر و نہی اور صاحب شریعت ہوں، میرا منکر کافر اور جہنمی ہے، لیکن مولوی محمد علی صاحب مرزا صاحب نے قرآن کی ذات اور ان کی اولاد سے زیادہ ہمدرد ہیں۔ وہ اپنے عقیدہ میں ان کی عظمت اور ان کے کارناموں اور خدمات کی تہ و بچا نا چاہتے ہیں اور دراصل وہ شعوری یا غیر شعوری طریقہ پر اپنے قلبی تعلق اور دینی عقیدت کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں اور اپنی روح اور دینی شعور کو اس صدمہ کی تکلیف سے بچانا چاہتے ہیں جو ان کے نبوت کے دعوے اور عامہ مسلمین کی تکفیر سے پہنچتی ہے۔ وہ ثابت کرتے ہیں کہ مرزا صاحب نے کہیں اصطلاحی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ انھوں نے اس سلسلہ میں جہاں جہاں نبوت ادھی و کفر وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے ہیں وہ محض تصوفیانہ اصطلاحات اور مجازات استعارات ہیں۔ ظاہر ہے کہ معروف و مروج الفاظ اور مشہور دینی اصطلاحات کو تصوف کا مرزا اور مجاز و استعارات ثابت کرنے کے بعد مصنف اور مدعی کی تقریر و تحریر کی ہر طرح کا دہلیز و توجیہ ہو سکتی ہے اور پھر کسی چیز کا بھی ثبوت ممکن نہیں۔

مولوی محمد علی صاحب مرزا صاحب کو چودھویں صدی کا مجدد اعظم اور مصلح اکبر اور اس سے بڑھ کر مسیح موعود مانتے ہیں اور اس نقطہ پر دونوں شاخوں کا اجتماع ہو جاتا ہے۔ ان کی تفسیر میں مرزا صاحب کے مسیح موعود ہونے کے ارشادات موجود ہیں سورۃ بقرہ کی آیت وَتَرٰ مُؤَلًّا اِلٰیٰ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو کافۃ الناس کی طرف مبعوث ہوئے

اور جن کا زمانہ نبوت قیامت تک ممتد ہے کسی دوسرے رسول یا نبی کا

محتاج اپنے آپ کو سمجھنا اس نعمتِ عظمیٰ کی ناشکر گزاری ہے۔ پس حدیث میں جو ابنِ مریم کے آنے کی پیش گوئی ہے اس کے معنی صرف یہ ہو سکتے ہیں کہ اس امت میں سے کوئی شخص ابنِ مریم کے رنگ میں آجائے جس طرح الیاس کے دوبارہ آنے کی پیش گوئی یوں پوری ہوئی کہ حضرت یحییٰ الیاس کے رنگ میں آ گئے۔ حضرت عیسیٰ کو قرآن کریم کی یہ تصریح امتِ محمدیہ میں آنے سے روکتی ہے۔ انھوں نے اپنی تصنیفات میں عام طور پر مرزا صاحب کے لئے مسیح موعود کا لقب استعمال کیا ہے۔ ہمیں یہاں پر ان کے اس عقیدہ کے بجائے ان کی تفسیر پر ایک ناقدانہ نظر ڈالنی ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ اس سے کس کرجاں کا پتہ چلتا ہے اور وہ کس طرح کا دینی ذہن اور فہم پیدا کر سکتی ہے۔

تفسیر بیان القرآن | ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولوی محمد علی صاحب لاہوری کے ذہن نے سرسید کے لڑیچہ اور ان کی تفسیر قرآن کے مسلک و اور ان کے فکر کو پورے طور پر جذب کر لیا تھا۔ مولوی نور الدین صاحب نے درسی تفسیر اور صحبت نے اس حجام اور ذوق کو مزید تقویت اور غذا پہنچائی۔ وہ اس طبقہ اور گروہ کے بہترین نمائندہ ہیں جس کو اسلام کے تعلق اور عصرِ جدید کے سامنے قرآن پیش کرنے اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں اس کی اشاعت کا شوق ہے لیکن اس کی ذہنی ساخت اور اس کی گزشتہ تعلیم و تربیت غریبی تھی اور محدودائے عقل و واقعات کو قبول کرنے سے بالکل قاصر ہے۔ اس نے سائنس اور علومِ جدید

۱۔ تفسیر بیان القرآن، حصہ اول صفحہ ۳۱
۲۔ مثال کے طور پر صرف النبوة فی الاسلام اور ردِّ تکفیر اہل قبلہ ملاحظہ ہوں

کی تحقیقات یا (صحیح تر الفاظ میں) مشہور نظریات و مسائل کو مسلمات و بدیہیات کے طور پر تسلیم کر لیا ہے اور ان کو کسی چیز کے (خواہ وہ مذہب کی تعلیمات اور ضعیف ساوی کے مضامین ہوں) رد و قبول کے لئے معیار و میزان سمجھ لیا ہے۔ اس کا ذہن اور اس کی ثقافت حقیقۂ عالم غیب اور معجزات و خوارق کو تسلیم کرنے سے ابا رکرتی ہے، لیکن وہ اپنے نسلی یا دینی لگاؤ کی وجہ سے قرآن مجید اور اسلام کے لُصوص سے بھی دستبردار نہیں ہو سکتا اس لئے اس نے درمیان کی راہ یہ نکالی ہے کہ ان حقائق غیبی اور معجزات مافوق الفطرۃ واقعات کی تشریح اس طرح کی جائے کہ جدید نظریات و معلومات سے وہ متصادم نہ ہوں اور ان کے تسلیم کرنے میں ذہن پر غیر ضروری بار نہ پڑے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے وہ آیات قرآنی کی تفسیر اور تاویل میں ہر طرح کا تکلف اور ہر طرح کی موٹنگانی کرنے کے لئے تیار رہتا ہے اور ہرگز دوسرے کمزور چیز کا سہارا لینے سے بھی اس کو عذر نہیں۔ وہ اپنی ان تقصیرات اور تاویلات میں اصولی تفسیر، زبان و ادب کے قواعد، عرف استعمال، قدیم کلام کی سند و محبت قرآن کے مخاطبین اولیہ اور اہل زبان کے فہم، متقدمین کی تفاسیر، غرض ہر اس چیز سے جو اس راہ میں حارج اور قرآن مجید اور انہم جدید کی تطبیق میں خلل انداز ہو دستبردار ہونے کے لئے تیار ہے۔ سرسید مروج کی تفسیر کا منہم دفتر اور مولوی محمد علی لاہوری کے تفسیری نوٹس اور حاشی اس طرز تفسیر کا بہترین نمونہ ہیں۔ یہاں پر نہایت اختصار کے ساتھ صرف چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۔ سورہ بقرہ میں فرمایا گیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ نے اپنی قوم بنی اسرائیل کے لئے (جو ایک بے آب وشت میں پرگئی تھی) پانی مانگا تو ارشاد ہوا کہ اپنا عصا چٹان پر مار دو چنانچہ اس عمل سے قدرت الہی سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور بنی اسرائیل کے بارہ قبائل نے آسودہ ہو کر اپنی پیاس بجھائی۔

وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ نَضِيبًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْمُومًا (البقرہ، ۸۷)

آیات کی اس تفسیر کی رو سے جو عربی کے الفاظ سے سمجھ میں آتی ہے اور آج تک عہد رسالت سے اس وقت تک کی جاتی رہی۔ یہ ماننا پڑتا ہے کہ بنی اسرائیل کے لئے چٹان سے پانی کے چشمے مافوق الفطرۃ اور خارق عادت طریقہ پر جاری ہوئے، یہ بات چونکہ روزمرہ کے مشاہدہ اور طبیعات و علم طبقات الارض کے عام قوانین سے الگ ہے۔ اس لئے اس ظاہری معنی کو چھوڑ کر مولوی محمد علی صاحب نے ضرب اور عصا کے وہ معنی بیان کئے ہیں جو کلام عرب میں خاص ترکیب اور خاص محاورات میں بطور مجاز و استعارہ کے مراد لئے جاتے ہیں یعنی ضرب فی الارض کے معنی زمین میں چلنا، عصا کے معنی اجتماع وائتلاف اور جماعت اور پھر الفاظ کے ان مجازی معنی کی مدد سے آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ ”اپنی جماعت کے ساتھ پہاڑ پر چلے جاؤ“ اور اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو کسی پہاڑ پر چلے جانے کی ہدایت فرمائی جہاں ان کو بارہ چشمے مل گئے یہ سب تکلفات انھوں نے اس لئے گوارا کئے کہ اس معجزہ اور خارق عادت واقعہ کے ماننے اور اس کا ثبوت پیش کرنے سے وہ بچ جائیں اور ان کے قارئین کے ذہن پر ایمان بالغیب اور تصدیق معجزات کا بوجھ نہ پڑے۔

۲۔ اسی سورہ کی آیت ہے:-

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَّٰرَاۤءُ عَلٰیكُمْ
فِيهَا طَوَّلَ اللّٰهُ مَخْرَجًا مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ

اور جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا پھر
آپس میں اختلاف کیا اور اللہ ظاہر کرنے

۱۔ بیان القرآن جلد اول، صفحہ ۶۰، ۶۱

فَقُلْنَا اصْرُوبْهُ بِبَعْضِهَا كَذَلِكَ
يُحْيِي اللَّهُ الْمَوْتَى وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ
لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝

والا تھا جو تم چھپاتے تھے۔ پس ہم نے کہا
کہ اسکو اسکے بعض سے مارو۔ اسی طرح اللہ
مردوں کو زندہ کرتا ہے اور تمہیں اپنے

(البقرہ ۱۷۰)

نشان دکھاتا ہے تا تم عقل سے کام لو۔

اس کے مشہور معنی اور تفسیر یہی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک قتل ہو گیا تھا قاتل
کا پتہ نہیں چلتا تھا مقتول کے ورثاء نے حضرت موسیٰؑ سے اُس کے متعلق دریافت کرنے کی
درخواست کی۔ اس سے پہلے ان کو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا اور انہوں نے
بعد از خرابی بسیار اس حکم کی تعمیل کی تھی، اللہ تعالیٰ نے حکم الہی کی مصلحت اور اس کی
تفصیل کا فائدہ بتلانے کے لئے حکم دیا کہ اسی گائے کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم سے مس
کر وہ اپنے قاتل کا نام بتلاوے گا۔ بنی اسرائیل کو احکام کی عظمت اور اُن کی تعمیل کی برکت
منفعت بتلانے کے لئے یہ طریقہ نہایت مناسب و موزوں تھا اور ایک خالی الذہن آدمی
آیات کے سیاق و سباق سے یہی معنی سمجھے گا، لیکن چونکہ اس میں کئی مافوق الفطرت اور
خارج عادت واقعات کو تسلیم کرنا پڑتا ہے اس لئے مولوی محمد علی صاحب نے اس کی
بالکل الگ تفسیر بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”قرآن صفائی سے بتاتے ہیں کہ ان الفاظ میں کسی نبی کے قتل
کا ذکر ہے۔ دوسری طرف یہ بھی ظاہر ہے کہ ایسا نبی جس کے قتل میں
اختلاف ہوا ہو اور کامیابی نہ ہو وہ مسیح علیہ السلام ہیں۔ گویا قوم
یہود کی بے اعتدالیوں کا نقشہ کھینچا ہے کہ ایک طرف تو گائے تک کہ
ذبح کرتے ہیں اس قدر لیت و لعل کرتے ہیں اور دوسری طرف ایک

عظیم نشان نبی کو قتل کرنے میں اس قدر دلیری ہے۔ رہا یہ سوال کہ قَتَلْنَا اَصْرًا بُوَدَ بِبَعْضِهَا سے کیا مراد ہے؟ اضر بُوَدَ میں ضمیر نفس کی طرف جاتی ہے کیونکہ بعض وقت نفس کی ضمیر بمعنا ضمیر مذکر آجاتی ہے اور بعضہا کی ضمیر فعل قتل کی طرف جاتی ہے یعنی بعض قتل سے اسکو مار دیا فعل قتل پورا اس پر وارد نہ ہونے دو اور یہی سچ ہے کہ حضرت مسیح پر پورا فعل قتل وارد نہیں ہوا۔ صلیب پر آپ صرف تین گھنٹے رہے اور اتنی تھوڑی دیر میں کوئی شخص صلیب کی موت مر نہیں سکتا۔ آپ کے ساتھ جو چور صلیب دیئے گئے تھے، ان کی ہڈیاں توڑی گئیں، آپ کی ہڈیاں نہیں توڑی گئیں۔ یہی فاضر بُوَدَ بمعنا ہلے اور گدازا۔ عیسیٰ اللہ الموتی کہہ کر تبارک یا کہ جس کو تم مرہ خیال کر بیٹھے تھے اسے خدا نے زندہ کر دیا۔

آیات کی یہ تفسیر اس ذہنیت کا بہترین نمونہ ہے۔ ایک معجزہ کے وقوع سے بچنے کے لئے کس طرح تکلف سے کام لیا گیا ہے اور کس طرح مونث کی ضمیر کو مذکر اور مذکر (فعل قتل) کی ضمیر کو مونث ثابت کیا گیا ہے اور سیاق و سباق کے بالکل برخلاف ان آیات کو حضرت مسیح سے متعلق کیا گیا ہے۔

۲۔ قرآن مجید نے حضرت مسیحؑ کا یہ قول بار بار دہرایا ہے کہ میں بطور معجزہ اور نبوت نبوت کے تمہارے سامنے مٹی کے جانور بنا آ ہوں اور پھر ان کو پھونک مار کر ہوائیں اڑاتا ہوں اِنِّیْ اَخْلَقْتُ لَکُمْ مِنَ الطِّیْنِ کَھِیئَۃَ الطَّیْرِ فَاَنْفَخْ فِیْہِ فِیْکُمْ طَیْرًا مَّا ذٰلِکَ اللّٰہُ (سورہ آل عمران ۷۶) اس میں بے جان چیزوں میں روح ڈالنے کے معجزہ سے بچنے کے لئے مولوی محمد علی صاحب نے اس آیت کو تمام تراستعارات پر مشتمل بتایا کہ وہ لکھتے ہیں:

”برنگِ استعارہ یہاں طیر سے مراد ایسے لوگ ہیں جو زمین اور
زمینی چیزوں سے اوپر اٹھ کر خدا کی طرف پرواز کر سکیں اور یہ بات
آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ کس طرح نبی کے نفع سے انسان اس قابل
ہو جاتا ہے کہ وہ زمینی خیالات کو ترک کر کے عالمِ روحانیت میں پرواز کرے“

۴۔ سورۃ النمل میں آتا ہے کہ حضرت سلیمان نے تحدیثِ نعمت کے طور پر فرمایا:
يَا أَيُّهَا النَّاسُ عُثِرْنَا مَنَاطِقَ ۖ اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی
الطَّيْرِ وَاقْبَلْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ط ہے اور ہمیں ہر ایک چیز دی گئی۔
(النمل ع ۲)

چونکہ کسی انسان کا پرندوں کی بولی سمجھنا عام مشاہدات و تجربات کے خلاف ہے
اس لئے مولوی محمد علی صاحب نے اس سے نامہ بری مراد لی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:
”سلطنت کے سامان میں بالخصوص قدیم زمانہ میں سب بڑا کام
جو پرندوں سے لیا جاتا تھا وہ نامہ بری کا کام تھا۔ تو مجازاً وہ نامہ جو
پرندہ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتا ہے، منطق الطیر ہی کہلائے گا۔“
اگلی آیت حتی اذا اتوا علی واد النمل قالت نملة یا ائیہا النمل
ادخلوا مساکنکم میں وادی النمل سے مراد مشہور تفسیر اور قبادر معنی کے مطابق
چوینٹیوں کا گاؤں نہیں، بلکہ ان کے نزدیک یہ ایک عرب قبیلہ بنی نملہ نام کی ایک وادی
مقی اور نملة سے مراد اسی کا ایک فرد تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

”یہ کوئی قوم تھی جن کو علم ہوا کہ حضرت سلیمان اپنی افواج کے ساتھ آئے

ہیں تو انھوں نے کہا کہ ایسا نہ ہو ہم خواہ مخواہ مخالف سمجھ کر ارے جائیں!

۵۔ سورہ سبار میں حضرت سلیمان کے متعلق ارشاد ہے : —

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ
مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ
الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَأَتَهُ ج
سوجب ہم نے اس پر (سلیمان پر) موت
کا حکم صادر کیا تو انھیں (جنت) کو اس کی
موت کا پتہ کسی چیز نے نہ دیا مگر گھن کے
کیڑے نے جو اس کا عصا کھا تا رہا۔
(السیار، ۲۵)

مفسرین اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جنوں کے ہاتھ
سے مسجد بیت المقدس کی تجدید کر رہے تھے۔ جب معلوم ہوا کہ میری موت آج پہنچی جنوں کو
نقشہ بتا کر آپ ایک شیشہ کے مکان میں در بند کر کے عبادت الہی میں مشغول ہو گئے۔
اسی حالت میں فرشتہ نے روح قبض کر لی۔ آپ کی نعش مبارک لکڑی کے ہمارے
کھڑی رہی۔ کسی کو آپ کی وفات کا احساس نہ ہو سکا۔ وفات کے بعد مدت تک جنی سورا
تعمیر کرتے رہے، جب تعمیر پوری ہو گئی منجس عصا پر نیک لگا رہے تھے گھن کے کھلنے
سے گرا تب سب کو وفات کا حال معلوم ہوا اس سے جنت کو خود اپنی غیب الہی کی حقیقت
کھل گئی اور ان کے متقدم انسانوں کو بھی پتہ لگ گیا کہ اگر انھیں غیب کی خبر ہوتی تو کیا اس وقت
آمین تکلیف میں پڑے رہتے؟

اس میں بھی چونکہ چند غیر معمولی واقعات اور آیات قدرت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے اس
لئے مولوی محمد علی صاحب نے دابة الارض اور منسأة کے بالکل الگ معنی بیان
کر کے لکھا ہے:

”اصل بات یہ ہے کہ حضرت سلیمان کی وفات کے جلد ہی بعد اس سلطنت

لے ج ۳ صفحہ ۴۹۹ اے حاشیہ مولانا شبیر احمد عثمانی

کی حالت خراب ہو گئی حضرت سلیمان کے بیٹے رحعیام کے تخت نشین ہونے کے بعد وہی دیر بعد رحعیام کی انگیخت پر بنی اسرائیل نے کچھ مطالبات پیش کئے۔ اس وقت حضرت سلیمان کے پرانے مشیروں نے رحعیام کو مشورہ دیا کہ وہ قوم کو تنگ نہ کرے اور ان کے مطالبات کو قبول کر لے مگر اس نے جملے ان مشیروں کی بات سننے کے اپنے نوجوان ساتھیوں کے کہنے پر بنی اسرائیل کے مطالبات کا سخت جواب دیا اور ان پر سختی کرنے کی ٹھانی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دس قومیں باغی ہو گئیں اور حضرت سلیمان کی سلطنت برباد ہو گئی اور رحعیام کی حکومت صرف ایک چھوٹی سی شاخ پر رہ گئی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ غیر اسرائیلی قومیں بھی آزاد ہو گئیں۔ (دیکھو سلاطین، باب ۱۲) بس داتہ الارض یہی رحعیام، حضرت سلیمان کا بیٹا ہے جس کی نظر صرف زمین تک محدود تھی اور سلیمان کے عصا کا کھایا جانا، اس سلطنت کی بربادی ہے اور جن سے مراد غیر قومیں ہیں جنہوں نے اب تک بنی اسرائیل کی ماتحتی کا جوا اٹھایا تھا۔“

۶۔ وَتَفْقَدُ الطَّيْرُ فِقَالَ اور خبر لی اڑتے جانوروں کی تو کہا کیا ہے
مالی لا اسری الھدھام کان جو میں نہیں دیکھتا۔ ہڈ ہڈ کو، یا ہے وہ
من الغائبین ۵ (انسل ۲۷) غائب

قدیم زمانہ سے اس وقت تک سب ہڈ ہڈ سے مراد مخصوص پرندہ سمجھا ہے اور سیاق و سباق بھی یہی بتلاتا ہے۔ اس لئے کہ اوپر حضرت سلیمان کے پرندوں کا فرمان جملنے کا ذکر ہے اور پرندوں ہی کا اس موقع پر وہ جائزہ لے رہے ہیں۔ وَتَفْقَدُ

الطَّيِّبُ لیکن چونکہ اس واقعہ میں ایک غرابت اور خارق عادت بات ہے کہ پرنڈ سے کوئی انسان بات چیت کرے اور اس کا محاسبہ کرے اور وہ اپنی کارگزار کی پیش کرے، اس لئے مولوی محمد علی صاحب کے نزدیک ہڈ ہڈ سے مراد حضرت سلیمانؑ کے صیغہ خبر رسانی کا انفسر اعلیٰ یا خفیہ پولیس کا انسپکٹر جنرل مراد ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”ہڈ ہڈ کسی شخص کا نام ہے جو اس محکمہ خبر رسانی سے تعلق رکھتا ہے اور جس کی موجودگی جائزہ کے وقت ضروری تھی کیونکہ پرنڈ سے خبر رسانی کا ہی کام لیا جاتا تھا۔ تو حضرت سلیمانؑ نے جیب پرندوں کو طلب کیا تاکہ سب سامانوں کی حالت سے واقفیت حاصل کریں تو انفسر محکمہ کو غائب پایا تو فرمایا: ہڈ ہڈ کہاں ہے؟ اور پرندوں اور جانوروں کے ناموں پر انسانوں کے نام عام طور پر رکھے جاتے ہیں۔ فکس (لوٹ) اور ولف (بھیریا) وغیرہ آج مہذب قوموں میں بھی اپنے نام رکھتی ہیں اور ہندوؤں میں طوطا رام اور مسلمانوں میں شیر اور بازہ لکھ شیراز عام نام ہیں۔ عرب میں بھی ایسے نام رکھ لئے جاتے تھے۔ جیسے اَسَد وغیرہ“

۷۔ قُلْ أَوْحِيَ إِلَيَّ أَنَا
اَسْمَعَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَتَخَوَّلُوا النَّاسَ
مَبْعُوثًا فَاِنَّا بَجَبَّاهُ (البقرہ ۲۰۱)
تم کہو کہ مجھ کو حکم آیا کہ کتنے جنوں کے لوگ
سُن گئے، پھر کہنے لگے کہ ہم نے ایک قرآن
عجیب سنا ہے؛

یہاں جن سے مراد خدا کی وہی مخلوق ہے جو عام طور پر نظروں سے مخفی رہتی ہے

..... اور جس کا ثبوت قرآن و حدیث تواتر اور مشاہدہ سے ہے۔ اس آیت میں مفسرین کے نزدیک اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ صبح کی نماز میں قرآن پڑھ رہے تھے کہ کئی جن ادھر کو گزریے اور قرآن کی آواز پر فریفتہ ہو کر سچے دل سے ایمان لے آئے، پھر اپنی قوم میں جا کر سب ماجرا بیان کیا۔

لیکن مولوی محمد علی صاحب نے لغت عرف، کلام عرب اور تفسیر مشہور کے بظناں جن سے مراد عیسائی قومیں لی ہیں سوہ لکھتے ہیں:

”جن سے مراد انسان ہی ہیں۔ چونکہ یہ باہر کے لوگ تھے جو اہل

عرب کی نظر سے مخفی تھے، اس لئے انھیں جن کہا گیا اور یہ جن عیسائی

تھے“

آگے چل کر لکھتے ہیں:-

”ممکن ہے یہ سب ذکر بطور پیش گوئی کے مواد مطلب یہ ہو

کہ عیسائی اقوام جو بوجہ اپنی عظمت کے کبھی جن کی حیثیت حاصل کر لینگے

آخر ان کا ایک حصہ بھی قرآن کریم کی صداقت پر ایمان لائے گا“

یہاں ہم انھیں چند نمونوں پر اکتفا کرتے ہیں، ورنہ یہ تفسیر جو تین ضخیم جلدوں میں

ہے، انھیں نوادہ تفسیر سے بھری ہوئی ہے۔

اس جگہ ایک سلیم الفطرت انسان کے دل میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا صحابہ

کرام جو قرآن مجید کے مخاطب اول تھے اور قرآن مجید ان کی زبان میں نازل ہوا تھا

اور صحبت نبوی سے انھوں نے قرآن مجید کا صحیح فہم حاصل کیا تھا۔ ان آیات کے

یہی معانی سمجھتے تھے، کیا وہ بھی اضرب بعصا الکحجر سے جماعت کو پہاڑ پر

لے کر اشیاء مولانا شبیر احمد عثمانی ج ۲ ص ۱۸۹

لے جانے کا مفہوم سمجھتے تھے۔ فاضل ربوہ بیعضہا کے معنی ان کے نزدیک بھی یہی تھے کہ حضرت مسیح علیہ السلام پر فعل قتل کا امر پورا وارونہ ہونے دو۔ طیسرے مراد وہ مرکز نفوس ہیں جو زمین اور زمینی چیزوں سے بلند ہو کر خدا کی طرف پرواز کرتے ہیں۔ منطق الطیر سے مراد نامہ بر کہوتر ہیں اور وادی النحل سے مراد کسی قبیلہ کی بستی ہے۔ حابۃ الارض سے مراد حضرت سلیمان کا بیٹا جیعام ہے جس کی نظر صرف زمین تک محدود تھی۔ هُذْ هُذ سے مراد حضرت سلیمان کے حکمہ خبر رسانی کا افسر اعلیٰ ہے۔ سورہ جن میں جن کے لفظ سے مراد یورپ کی عیسائی قومیں ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح کیا تابعین اور ان کے بعد کے اہل زبان اور علماء و مفسرین میں کسی نے ان آیات اور الفاظ کے یہ معنی سمجھے؟ اثبات میں تو اس کا جواب دینا مشکل ہے اس لئے کہ متقدمین کا تفسیری فیض ہمارے سامنے ہے۔ ان میں کہیں اس کا وجود نہیں اور جو اس زمانہ کے اہل عربیت اور ادب کا ذہن بھی ان معانی کی طرف منتقل نہیں ہو سکتا پھر اگر واقعہ یہ ہے کہ نزول قرآن کے تیرہ سو برس بعد ایک عجیب نژاد کے ذہن میں پہلی مرتبہ ان آیات الفاظ کے یہ معانی آئے ہیں تو قرآن مجید میں جو جا بجا اپنے لئے الْكِتَابُ الْعَبْدِيُّ (واضح کتاب) عَوْنِي مُبَيِّن (واضح عربی زبان) کے الفاظ استعمال کرتے ہیں، ان کا کیا مطلب ہے؟ سورہ شعراء میں ارشاد ہوتا ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ	لے کر اترے اس کو فرشتہ معبر
عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ	تیرے دل پر کہ تو ہر ڈرنا میں
بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ (الشعراء ۱۷۱)	والا کلم عربی زبان میں
أَلَمْ تَرَ أَنَا أَمَّا الْكِتَابُ	یہ آیتیں میں واضح کتاب کی

الْمُبِينِ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا
 نَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ دیرسف (۱۷۸)
 ہم نے اس کو آمارا ہے۔ قرآن عربی زبان
 کا، تاکہ تم سمجھ لو؛
 وَلَقَدْ نَسَرْنَا الْقُرْاٰنَ
 لِلَّذِیْ كَرِهَ مِنْ مَّذٰکِرِهِ (القرع۱)
 ہم نے قرآن کو آسان کر دیا ہے سمجھنے کے
 لئے، پھر ہم کوئی سوچنے والا؛

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ قرآن مجید کی آیات تیرو سو برس تک عجمانی نہیں اور اس کی
 ہدایت تیرو سو برس کے بعد سے شروع ہوئی۔ الفاظ کے ظاہری اور کثیر الاستعمال معنی عربیت
 کے اصول و قواعد، قرآن کے مخاطبین اولین کے فہم، آیات کے سیاق و سباق اور احادیث
 صحیحہ سے صرف نظر کر کے قرآن مجید کی تفسیر کرنا، قرآن مجید کی تحریف معنوی اور تلاعب
 بالقرآن (قرآن کو کھیل بنالینا ہے) جو الحاد کا دسٹا نہ کھوتا ہے اور کلام الہی کو تختہ
 مشق اور بازیچہ اطفال بنا دیتا ہے اور امت کے بہترین افراد اور بہترین نسل کی نافہمی اور
 جہالت کا ثبوت ہے یزنا غلام احمد صاحب نے سرسید کی تفسیر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا
 (ہوئی محمد علی صاحب کی تفسیر پر بھی اس سے بہتر تبصرہ ممکن نہیں)

» جو تاویل قرآن کریم کی نہ خدا نے تعالیٰ کے علم میں تھیں نہ اس

کے رسول کے علم میں نہ صحابہ کے علم میں، نہ اولیاء اور قطبوں اور غوثوں

اور ابدال کے علم میں اور نہ ان پر دلالت النص نہ اشارۃ النص، وہ

سید صاحب کو سمجھیں۔»

فصل چہارم

قادیانیت نے عالم اسلام کو کیا عطا کیا؟

اب جب ہم اپنے اس تحقیقی سفر کی آخری منزل پر پہنچ گئے ہیں اور اس کتاب کی آخری سطریں زیرِ تحریر ہیں ہم کو ایک عملی اور حقیقت پسند انسان کے نقطہ نظر سے تحریکِ قادیانیت کا تاریخی جائزہ لینا چاہیے اور یہ دیکھنا چاہیے کہ اس نے اسلام کے تاریخی اصلاح و تجدید میں کونسا کام انجام دیا اور عالم اسلام کی جدید نسل کو کیا عطا کیا۔ نصف صدی کے اس پرشور اور ہنگامہ خیز مدت کا حاصل کیا ہے؟ تحریک کے بانی نے اسلامی مسائل اور تنازع فیہ اموہب جو ایک سیلحہ و ہیبت کتب خانہ یادگار چھوڑا ہے اور جو تقریباً ۷۰ برس سے موضوع بحث بنا ہوا ہے اس کا خلاصہ اور ما حاصل کیا ہے؟ قادیانیت عصرِ جدید کے لئے کیا پیغام رکھتی ہے؟

ان سوالات کا جواب حاصل کرنے کے لئے پہلے ہم کو اس عالمِ اسلامی پر ایک نظر ڈالنی چاہیے جس میں اس تحریک کا ظہور ہوا اور یہ دیکھنا چاہیے کہ انیسویں صدی کے نصفِ آخر میں اس کی کیا حالت تھی اور اس کے کیا حقیقی مسائل و مشکلات تھے۔

اس عہد کا سب سے بڑا واقعہ جس کو کوئی مؤرخ اور کوئی مُصلح نظر انداز نہیں کر سکتا،

یہ تھا کہ اسی زمانہ میں یورپ نے عالم اسلام پر بالعموم اور ہندوستان پر بالخصوص یورش کی

۱۔ مرزا صاحب کی تصنیفات کی تعداد ۸۷ سے کم نہیں ہے۔ ان میں اکثر نہایت ضمیمہ اور کئی کئی جلدوں کی کتابیں ہیں۔

تھی۔ اس کے جلو میں جو نظام تعلیم تھا وہ خدا پرستی اور خدا شناسی کی رُوح سے عاری تھا، جو تہذیب تھی وہ الحاد اور فحش پرستی سے معمور تھی۔ عالم اسلام، ایمان، علم اور ترقی طاقت میں کمزور ہو جانے کی وجہ سے اس نوخیز و مُسلح مغربی طاقت کا آسانی سے شکار ہو گیا۔ اس وقت مذہب میں (جس کی نمائندگی کے لئے صرف اسلام ہی میدان میں تھا) اور یورپ کی مُحدانہ اور مادہ پرست تہذیب میں تصادم ہوا۔ اس تصادم نے ایسے نئے سیاسی، تمدنی، علمی اور اجتماعی مسائل پیدا کر دیئے جن کو صرف طاقتور ایمان، راسخ و غیر متزلزل عقیدہ و یقین، وسیع اور عمیق علم، غیر مشکوک اعتماد و استقامت ہی سے حل کیا جاسکتا تھا۔ اس صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک طاقتور علمی و رُوحانی شخصیت کی ضرورت تھی جو عالم اسلام میں رُوحِ جہاد اور مسلمانوں میں اتحاد پیدا کر دے۔ جو اپنی ایمانی قوت اور دماغی صلاحیت سے دین میں ادنیٰ تحریف و ترمیم... کے بغیر اسلام کے ابدی پیغام اور عصرِ حاضر کی بے چین رُوح کے درمیان مصالحت و رفاقت پیدا کر سکے اور شوخ و پرچوش مغرب کے آنکھیں ملا سکے۔

دوسری طرف عالم اسلام مختلف دینی و اخلاقی بیماریوں اور کمزوریوں کا شکار تھا۔ اس کے چہرے کا سب سے بڑا داغ وہ شرک جلی تھا جو اس کے گوشہ گوشہ میں پھیلا جاتا تھا۔ قبریں اور تہذیب بے محابہ بگاڑ رہے تھے۔ غیبت اللہ کے نام کی صاف صاف فحاشی دی جاتی تھی۔ بدعات کا گھر گھر چھا تھا۔ خرافات اور توہمات کا دھندلہ دورہ تھا۔ یہ مصیبتِ حال ایک ایسے دینی مصلح اور داعی کا تقاضا کر رہی تھی جو اسلامی معاشرہ کے اندر جا ملیت کے اثرات کا مقابلہ اور مسلمانوں کے گھروں میں اس کا تعاقب کرے جو پوری وضاحت اور جرأت کے ساتھ توحید و سنت کی دعوت اور اپنی پوری قوت

کے ساتھ اَللّٰهُ الدِّیْنُ الْحَالِصُ کا نعرہ بلند کرے۔

اسی کے ساتھ بیرونی حکومت اور مادہ پرست تہذیب کے اثر سے مسلمانوں میں ایک خطرناک اجتماعی انتشار اور افسوسناک اخلاقی زوال رونما تھا۔ اخلاقی انحطاط فسق و فجور کی حد تک، قیّش و اسراف نفس پرستی کی حد تک، حکومت اہل حکومت سے مرغوبیت ذہنی غلامی اور ذلت کی حد تک، مغربی تہذیب کی نقالی اور حکمران قوم (انگریز) کی تقلید کفر کی حد تک پہنچ رہی تھی۔ اس وقت ایک ایسے مصلح کی ضرورت تھی جو اس اخلاقی و ذہنی انحطاط کی بڑھتی ہوئی زد کو روکے اور اس خطرناک رجحان کا مقابلہ کرے جو حکومت غلامی کے اس دور میں پیدا ہو گیا تھا۔

تعلیمی و علمی حیثیت سے حالت یہ تھی کہ عوام اور محنت کش طبقہ دین کے مبادی و اولیات سے ناواقف اور دین کے فرائض سے بھی غافل تھا۔ جدید تعلیم یا فحش طبقہ شریعت اسلامی، تاریخ اسلام اور اپنے ماضی سے بے خبر اور اسلام کے مستقبل سے مایوس تھا۔ اسلامی علوم و معارف زوال اور پرانے تعلیمی مرکز عالم نزع میں تھے۔ اس وقت ایک طاقتور تعلیمی تحریک اور دعوت کی ضرورت تھی۔ نئے مکاتب و مدارس کے قیام، نئی اور موثر اسلامی تصنیفات اور نئے سلسلہ نشر و اشاعت کی ضرورت تھی جو امت کے مختلف طبقوں میں مذہبی و واقفیت، دینی شعور اور ذہنی اطمینان پیدا کرے۔

اس سب کے علاوہ اور اس سب سے بڑھ کر عالم اسلام کی سب سے بڑی ضرورت یہ تھی کہ انبیاء علیہم السلام کے طریق دعوت کے مطابق اس امت کو ایمان اور عمل صالح اور اس صحیح اسلامی زندگی اور سیرت کی دعوت دی جائے جس پر اللہ تعالیٰ نے فتح و نصرت، دشمنوں پر غلبہ اور دین و دنیا میں فلاح و سعادت اور سر بلندی کا وعدہ فرمایا

ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عالم اسلام کی ضرورت دین جدید نہیں، ایمان جدید ہے، کسی دین میں بھی اس کو نئے دین اور نئے پیغمبر کی ضرورت نہیں تھی۔ دین کے ان ابدی حقائق و عقائد اور تعلیمات پر نئے ایمان اور نئے جوش کی ضرورت تھی جس سے زمانہ کے نئے فتنوں اور زندگی کی نئی ترغیبات کا مقابلہ کیا جاسکے۔

زندگی کے ان شعبوں اور ضرورتوں کے لئے جن کا اوپر تذکرہ ہوا عالم اسلام کے مختلف گوشوں میں مختلف شخصیتیں اور جماعتیں سامنے آئیں جنہوں نے بغیر کسی دعوے اور بغیر امت مسلمہ کی کوشش کے وقت کی ان ضرورتوں اور مطالبوں کو پورا کیا اور مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد کو متاثر کیا۔ انہوں نے کسی نئے مذہب اور کسی نئی نبوت کا علم بلند نہیں کیا اور مسلمانوں میں کوئی تفریق اور انتشار پیدا کیا۔ انہوں نے اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کو کسی بے نتیجہ کام میں ضائع نہیں کیا۔ ان کا نفع ہر فرد سے خالی، اُن کی دعوت ہر خطرہ سے پاک اور ان کا کام ہر شبہ سے بالاتر ہے۔ عالم اسلام نے اپنا کچھ کھوئے بغیر ان سے نفع حاصل کیا اور مسلمان ان کی مخلصانہ فدا کے ہمیشہ شکر گزار رہیں گے۔

ایک ایسے نازک وقت میں عالم اسلام کے نازک ترین مقام ہندوستان میں محمد بنی و سید کشکیش کا خاص میدان بنا ہوا تھا، مرزا غلام احمد صاحب اپنی دعوت اور تحریک کے ساتھ سامنے آتے ہیں۔ وہ عالم اسلام کے حقیقی مسائل و مشکلات اور وقت کے اصلاحی تقاضوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی تمام ذہنی صلاحیتیں، علم و قلم کی طاقت ایک ہی مسئلہ پر مرکوز کر دیتے ہیں۔ وہ مسئلہ کیا ہے؟ ”وفات مسیح اور مسیح موعود کا دعویٰ“ اس مسئلے سے جو کچھ وقت بچتا ہے وہ حرمت جہاد اور حکومت و قلم کی وفاداری اور اخلاص کی دعوت کی تہذیب ہو جاتا ہے۔ بیچ صدی کی تصنیفی و علمی زندگی اور جہاد جہد کا موضوع اور ان کی دلچسپیوں کا مرکز

یہی مسئلہ اور اس کے سلسلہ میں محققین سے نبرد آزمائی اور معرکہ آرائی ہے۔ اگر ان کی تعنیفات سے ان مسائل کو خارج کر دیا جائے جو حیاتِ مسیح و نزولِ مسیح اور ان کے دعاوی اور اس سے پیدا ہونے والے مباحث سے متعلق ہیں۔ تو ان کے تصنیفی کارنامہ کی ساری اہمیت اور وسعت ختم ہو جائے گی۔

پھر یہ بھی دیکھیے کہ اس عالمِ اسلام میں پہلے سے مذہبی اختلافات اور دینی نزاعات کا شمار تھا اور جس میں اب کسی نزاع کے برداشت کرنے کی طاقت نہ تھی وہ نئی نبوت کا ظلم بلند کرتے ہیں اور جو اس پر ایمان دلائے اس کی تکفیر کرتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے اور مسلمانوں کے درمیان ایک آہنی حد ناقابلِ عبور دیوار کھڑی کر دیتے ہیں۔ جس کے ایک جانب ان کے متبعین کی ایک چھوٹی سی جماعت ہے جو چند ہزار افراد پر مشتمل ہے، دوسری طرف پورا عالمِ اسلام ہے جو مرکز سے چین تک پھیلا ہوا ہے اور جس میں عظیم ترین افراد، صالح ترین جماعتیں اور مفید ترین ادارے ہیں۔ اس طرح انھوں نے عالمِ اسلام میں بلا ضرورت ایسا انتشار اور ایک ایسی نئی تقسیم پیدا کر دی جس نے مسلمانوں کی مشکلات میں ایک نیا اضافہ اور عصرِ حاضر کے مسائل میں نئی پیچیدگی پیدا کر دی۔

مرزا غلام احمد صاحب نے درحقیقت اسلام کے علمی و دینی ذخیرہ میں کوئی ایسا اضافہ نہیں کیا جس کے لئے اصلاح و تجدید کی تائید یا ان کی معترف اور مسلمانوں کی نسلِ جدیدان کی شکر گزار ہو۔ انھوں نے نہ تو کوئی عمومی دینی خدمت انجام دی جس کا نفع دنیا کے سارے مسلمانوں کو پہنچے، نہ وقت کے جدید مسائل میں سے کسی مسئلہ کو حل کیا، نہ ان کی تحریک موجودہ انسانی تہذیب کے لئے جو سخت مشکلات اور موت و حیات کی کشمکش سے دوچار ہے کوئی پیغام رکھتی ہے، نہ اُس نے یورپ اور ہندوستان کے اندر اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کوئی قابلِ ذکر کارنامہ انجام دیا ہے۔ اس کی جدوجہد کا تمام تر میدان مسلمانوں کے اندر ہے۔ اور اس کا نتیجہ صرف ذہنی انتشار اور غیر مفردی مذہبی کشمکش ہے جو اس نے اسلامی معاشرے

میں پیدا کر دی ہے۔ وہ اگر کسی چیز میں کامیاب کہے جاسکتے ہیں تو صرف اس میں کہ انھوں نے اپنے خاندان اور دربار کے لئے سر آقا خاں کے اسلاف کی طرح پیشگوئی کی ایک مسند اور ایک دینی ریاست پیدا کر دی ہے جس کے اندر ان کو روحانی سیادت اور مادی عیش و عشرت حاصل ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر ہندوستان میں وہ ذہنی انتشار نہ ہوتا جس کا پنجاب خاص میدان تھا اگر انگریزی حکومت کے اثر سے اسلامی معاشرہ میں اسلام کی بنیادیں متزلزل نہ ہوں اور اسلامی ذہن مآؤف نہ ہو چکا ہوتا، اگر مسلمانوں کی نئی نسل دینی تعلیمات اور اسلام کی اصلاحی و تجدیدی شخصیتوں اور نیابتِ انبیاء اور عظمتِ انسانی کی حقیقی صفات سے اتنی بے خبر نہ ہوتی اور آخر میں حکومتِ وقت کی پشت پناہی اور سرپرستی نہ ہوتی تو یہ تحریک جس کی بنیاد زیادہ تر اہلانات، خواہوں، تاویلات اور بے کیف و بے مغز نکتہ آفرینیوں پر ہے اور جو عصرِ جدید کے لئے کوئی نیا اخلاقی و روحانی پیغام اور مسائلِ حاضرہ کو حل کرنے کے لئے کوئی مجتہدانہ مقام نہیں رکھتی، کبھی بھی اتنی مدت تک باقی نہیں رہ سکتی تھی جیسی کہ اس برسِ انحطاط و سوسائٹی اور اس پر آگندہ دلع پر آگندہ دل نسل میں رہ سکی۔ اسلام کی صحیح تعلیمات اور دعوت سے انحراف اور ان مخلصین و مجاہدین کی جو ماضی قریب میں اس ملک میں پیدا ہوئے اور اسلام کے عروج اور مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لئے اپنا سب کچھ ناکر چلے گئے، ناقدِ ری کی سرخاندانے یہ دی کہ ہندوستانی مسلمانوں پر ایک نئے ذہنی طاعون کو مسلط کر دیا اور ایک شخص کو ان کے درمیان کھڑا کر دیا جو امت میں فساد کا مستقل بیج بونگیا ہے۔

دو سال ہوئے دمشق یونیورسٹی کے طلبہ و اساتذہ کے سامنے اسلام کی تاریخِ اصلاح و تجدید کے موضوع پر ایک سلسلہ تقریر کے دوران میں باقم طور پر ایک باطنیت پر تبصرو

کرتے ہوئے کہا تھا:

”حضرات! میں حب باطنیت، اخوان الصفا اور ایران کی یہائی اور ہندوستان کی قادیانیت کی تاریخ پڑھتا ہوں تو مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ ان تحریک کے بانیوں نے اسلام اور بعثتِ محمدی کی تاریخ پڑھی تو انھوں نے دیکھا کہ ایک شخص تنہا جزیرۃ العرب میں ایک دعوت لیکر کھڑا ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں نہ مال ہے نہ اسلحہ۔ وہ ایک عقیدہ اور ایک دین کی دعوت دیتا ہے اور کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرتا کہ ایک نئی امت، ایک نئی حکومت، ایک نئی تہذیب وجود میں آجاتی ہے۔ وہ تاریخ کا رخ تبدیل کر دیتا ہے اور واقعات کا دھارا بدل دیتا ہے۔ ان کی بلند حوصلہ طبیعتوں نے ان سے کہا کہ اس کا نیا تجربہ کیوں نہ کیا جائے۔ انھوں نے دیکھا کہ وہ ذہانت، ادائیگی، صلاحیت، تنظیمی لیاقت بھی رکھتے ہیں اور پڑھے لکھے لوگ ہیں پھر کیوں نہ تاریخ اپنے آپ کو دہرائے گی اور کس طرح انھیں واقعات کا ظہور نہ ہو گا۔ جو طبعی اسباب اور عمل کے ماتحت گوشہ گوشہ دو دین ہو چکے ہیں۔ ان کو امید تھی کہ پھر اسی معجزہ کا ظہور ہو گا جس کا تاریخ نے چھٹی صدی میں مشاہدہ کیا۔ اس لئے کہ فطرتِ انسانی ناقابلِ تبدیل ہے اور لوگوں میں ہمیشہ سے ہر دعوت قبول کرنے کی صلاحیت ہے۔“

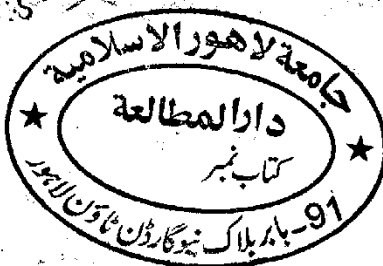
ان بلند حوصلہ انسانوں نے اس یکہ و تنہا ہستی کو تو دیکھا جو بغیر کسی سرمایہ اور بغیر کسی فوجی طاقت و حمایت کے ایک دینی دعوت لے کر کھڑی ہوئی، لیکن اس کے پیچھے اس ربانی حمایت اور مددِ الہی کو نہیں دیکھا جو اس کی کامیابی، غلبہ اور قیامت تک باقی رہنے کا فیصلہ کر چکا تھا اور جس نے اعلان کر دیا تھا:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ
وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول ہدایت اور
بِالْهُدَى قَوْمِ الْخَوَارِجِ لِيُظْهِرُوا عَلَى
سچے دین کے ساتھ تاکہ سب دینوں پر غالب

السَّيِّئِينَ كُلَّهُمُ وَكَوْكَرَةً
المُشْرِكُونَ (الصف، ۱۷) مائیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ وقتی طور پر ان کی کوششیں کامیاب اور بار آور ہوئیں اور انھوں نے ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں اپنے ساتھی اور پیرو پیدا کر لئے۔ ان میں سے بعض (باطنیں) نے عظیم الشان سلطنت (فاطمیہ) بھی قائم کر لی اور یہ سلطنت عرصہ تک پھیلی پھوٹی اور ایک زمانہ میں اس نے سوڈان سے مراکش تک قبضہ کر لیا لیکن جب تک ان کی تنظیم ان کے مخفی انتظامات اور ان کا شعبہ بازیاباں باقی رہیں۔ یہ عروج بھی باقی رہا لیکن پھر وقت آیا کہ یہ سب عروج و افتادہ نصیب سب ترقی و اقبال ایک انسان بن کر رہ گیا۔ ان کے مذاہب ایک مختصر دائرہ میں محدود ہو کر رہ گئے۔ جن کا زندگی پر کوئی اثر اور دنیا میں کوئی مقام نہیں۔

اس کے بالمقابل اسلام جس کو رسول اللہ نے کرائے۔ وہ آج بھی دنیا کی عظیم ترین روحانی طاقت ہے اور آج اس کے ساتھ ایک عظیم الشان امت ہے۔ آج بھی وہ ایک تہذیب رکھتا ہے اور بہت سی سلطنتوں اور قوموں کا مذہب ہے۔ نبوت محمدی کا آفتاب آج بھی بلند اور روشن ہے اور تاریخ کے کسی دور میں بھی وہ آگہن میں نہیں آیا۔



کتاب کے مآخذ

اس کتاب میں مرزا غلام احمد صاحب اور قادیانی مصنفین کی جن کتابوں کے اقتباسات اور حوالے پیش کئے گئے ہیں، ان کے نام بہ ترتیب حروفِ تہجی ذیل میں درج کئے جلتے ہیں۔ جن کتابوں پر ایڈیشن، سنِ طباعت اور مطبع کا نام درج ہے اس کا بھی تذکرہ کر دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ کتابوں کی مختلف اشاعتوں کے صفحات میں بڑا فرق و تفاوت ہے۔

- ۱۔ الاربعین ۱۱۔ بیان القرآن جلد سوم ۱۹۳۲ء
- ۲۔ ازالۃ الادرار ۱۱۔ پیغام صلح لاہور
- ۳۔ آسمانی فیصلہ ۱۲۔ تبلیغ رسالت
- ۴۔ اعجاز احمدی ۱۳۔ تحفۃ الندوة مطبع ضیاء الاسلام ٹاؤن
- ۵۔ انجامِ آختم ۱۴۔ تریاق القلوب " " "
- ۶۔ انوار خلافت ۱۵۔ تخیذ الاذہان
- ۷۔ آئینہ کمالات اسلام ۱۶۔ توضیح مرام طبع دوم ۱۸۹۷ء
- ۸۔ ایک غلطی کا ازالہ ۱۷۔ حقیقۃ الوحی ۱۹۰۷ء
- ۹۔ براہین احمدیہ ۱۸۔ حقیقۃ النبوة ۱۹۱۵ء
- ۱۰۔ بیان القرآن از مولوی محمد علی لاہوری ۱۹۔ الحکم
- مطبوعہ کریم پریس جلد اول ۱۹۳۳ء ۲۰۔ حیاتِ نامر
- جلد دوم ۱۹۳۵ء

- ۲۱- خطبہ الہامیہ ۱۹۰۲ء
- ۲۲- مودتین ۱۹۲۵ء
- ۲۳- ردیف کفر اہل قبلہ مقبول عام پیر لاجپور ۱۹۲۵ء
- ۲۴- دیوانہ دلیخیز ۱۸۸۶ء
- ۲۵- سرمد چشم آریہ طبع اول ۱۸۸۶ء
- ۲۶- سیرۃ المہدی (حصہ اول و دوم) طبع دوم ۱۹۳۵ء
- ۲۷- (حصہ سوم) طبع اول ۱۹۳۹ء
- ۲۸- شہادۃ القرآن مطبع شیرسہداتر ۱۸۹۳ء
- ۲۸- فتح اسلام ۱۸۹۳ء
- ۲۹- اخبار الفضل
- ۳۰- کتاب الہدیہ طبع دوم ۱۹۳۲ء
- ۳۱- کشف الاحناف مطبع حیدر الاسلام کادریہ قوری ۱۹۲۰ء
- ۳۲- کلمۃ الفضل
- ۳۳- مرقۃ الیقین فی حیاتہ نور الدین، شان کردہ
- ۳۴- انجمن اشاعت اسلام احمدیہ پاکستان
- ۳۴- معیار الاخبار
- ۳۵- مکتوبات احمدیہ حصہ پنجم
- ۳۶- نجم الہدیٰ
- ۳۷- نزول المسیح طبع اول ۱۹۰۹ء
- ۳۸- نور الحق

عصر جدید کے مادہ پرستانہ چیلنج کے جواب میں
مولانا محمد شہاب الدین ندوی
کے چند

محققانہ تصانیف

ۛ جدید ذہن و دماغ کے پیدا کردہ شکوک و شبہات کا جواب ۛ اسلام کی اہمیت
اور عالمگیری کے ساتھ لائن ۛ واضح اور قسلی بحث حقائق ۛ مسکت و دل نشین
استدلال ۛ اور عالم انسانی کیلئے ایک لمحہ فکریہ

- | | |
|---|---|
| ۱۰۔ جبینر
(ایک غیر اسلامی تصور جو ناساتمن کا باعث ہے) | ۱۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ قرآن کی نظر میں |
| ۱۱۔ اسلام کا قانون طلاق
دستار و حدیث کی روشنی میں) | ۲۔ قرآن مجید اور دنیائے حیات
(میدر سائنس کی روشنی میں چند حقائق) |
| ۱۲۔ اسلام میں علم کا مقام و مرتبہ | ۳۔ قرآن سائنس اور مسلمان |
| ۱۳۔ تعدد از دواعیہ پر ایک نظر | ۴۔ اسلام اور جدید سائنس |
| ۱۴۔ نکاح کتنا آسان اور کتنا مشکل
اسلامی شریعت کی روشنی میں ایک جائزہ | ۵۔ عورت اور اسلام |
| ۱۵۔ جدید علم کلام | ۶۔ تخلیق آدم اور نظریہ ارتقا |
| ۱۶۔ آسان عربی (اول۔ دوم) | ۷۔ تین طلاق کا ثبوت |
| | ۸۔ اسلامی شریعت علم اور عقل کی میزان میں |
| | ۹۔ قرآن کا پیغام اور اس کے علی اسرار و مجاہب |

ناشر
فضل ربی ندوی

فون ۶۲۸۸۴

مجلس نشریات اسلام کے ۲ نام آباد نشن، نالم آباد کراچی ۷۴۶۰۰

کفر سے کریں

حصہ ششم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سیرت حضرت عائشہؓ	علامہ سید سلیمان ندویؒ	فہم القرآن	مولانا محمد رفیع الدین علی ندویؒ
یاد و رنگان	"	وحی الہی	"
خطبات مدراس	"	مجالس صوفیہ	مولانا سید صاحب الدین عظیمیؒ
حیات امام مالک	"	بزم رفتہ کی سچی کہانیاں	"
سیر افغانستان	"	مسلمانوں کے عروج و زوال کے سبب	"
آپ بیتی	مولانا عبد المجید ربیاریؒ	قرآن مجید اور دنیا کے حیات	مولانا شہاب الدین ندویؒ
معاصرین	"	جدید مسائل کی روشنی میں چند حقائق	"
بشریت انبیاء	"	اسلامی شریعت علم اور عقل کی میزان میں	"
سیرت نبویؐ قرآنی	"	قرآن سائنس اور مسلمان	"
وفیات ماجدی	"	تخلیق آدم اور نظریہ ارتقا	"
قصص و مسائل	"		
قرآن آپؐ کیا کہتا ہے	مولانا محمد منظور نعمانیؒ		
دین و شریعت	"		
اسلام کیا ہے ؟	"		
حضرت عثمان ذوالنورینؓ	مولانا سید احمد اکبر آبادیؒ		
فہم القرآن	"		
وحی الہی	"		
مجالس صوفیہ	مولانا سید صاحب الدین عظیمیؒ		
بزم رفتہ کی سچی کہانیاں	"		
مسلمانوں کے عروج و زوال کے سبب	"		
قرآن مجید اور دنیا کے حیات	مولانا شہاب الدین ندویؒ		
جدید مسائل کی روشنی میں چند حقائق	"		
اسلامی شریعت علم اور عقل کی میزان میں	"		
قرآن سائنس اور مسلمان	"		
تخلیق آدم اور نظریہ ارتقا	"		
سیرت حضرت عائشہؓ	علامہ سید سلیمان ندویؒ	فہم القرآن	مولانا محمد رفیع الدین علی ندویؒ
یاد و رنگان	"	وحی الہی	"
خطبات مدراس	"	مجالس صوفیہ	مولانا سید صاحب الدین عظیمیؒ
حیات امام مالک	"	بزم رفتہ کی سچی کہانیاں	"
سیر افغانستان	"	مسلمانوں کے عروج و زوال کے سبب	"
آپ بیتی	مولانا عبد المجید ربیاریؒ	قرآن مجید اور دنیا کے حیات	مولانا شہاب الدین ندویؒ
معاصرین	"	جدید مسائل کی روشنی میں چند حقائق	"
بشریت انبیاء	"	اسلامی شریعت علم اور عقل کی میزان میں	"
سیرت نبویؐ قرآنی	"	قرآن سائنس اور مسلمان	"
وفیات ماجدی	"	تخلیق آدم اور نظریہ ارتقا	"
قصص و مسائل	"		
قرآن آپؐ کیا کہتا ہے	مولانا محمد منظور نعمانیؒ		
دین و شریعت	"		
اسلام کیا ہے ؟	"		
حضرت عثمان ذوالنورینؓ	مولانا سید احمد اکبر آبادیؒ		
فہم القرآن	"		
وحی الہی	"		
مجالس صوفیہ	مولانا سید صاحب الدین عظیمیؒ		
بزم رفتہ کی سچی کہانیاں	"		
مسلمانوں کے عروج و زوال کے سبب	"		
قرآن مجید اور دنیا کے حیات	مولانا شہاب الدین ندویؒ		
جدید مسائل کی روشنی میں چند حقائق	"		
اسلامی شریعت علم اور عقل کی میزان میں	"		
قرآن سائنس اور مسلمان	"		
تخلیق آدم اور نظریہ ارتقا	"		

ناشر: فضل علی قاسمی ندوی

مجلس نشریات اسلام - ۱۔ ۲۔ ۳۔ انعام آباد میٹن - انعام آباد - ۱۸ کراچی

پندرہویں صدی ہجری کے لئے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رطلہ العالی کا ایک عظیم تحفہ
ایک حیات آفرین پیغام

تاریخ دعوت و عزیمت

(چھ حصوں میں)

حصہ اول: پہلی صدی ہجری سے لے کر ساتویں صدی ہجری تک عالم اسلام کی اصلاحی و تجدیدی کوششوں کا تاریخی جائزہ، نامور مصلحین اور ممتاز اصحاب دعوت و عزیمت کا مفصل تعارف، ان کے علمی کارناموں کی روداد اور ان کے اثرات و نتائج کا تذکرہ۔

حصہ دوم: جس میں آٹھویں صدی ہجری کے مشہور عالم و مصلح شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کی سوانح حیات، ان کے صفات و کمالات، ان کی علمی و تصنیفی خصوصیات، ان کا تجدیدی و اصلاحی کام اور ان کی اہم تصنیفات کا مفصل تعارف اور ان کے ممتاز تلامذہ اور متبعین کے حالات۔

حصہ سوم: حضرت خواجہ معین الدین چشتی، سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا، حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ میزی کی سوانح حیات، صفات و کمالات، تجدیدی و اصلاحی کارنامے، تلامذہ اور متبعین کا تذکرہ و تعارف۔

حصہ چہارم: یعنی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی (۱۰۳۴-۹۷۹ھ) کی مفصل سوانح حیات، ان کا عہد اور ماحول، ان کے عظیم تجدیدی و انقلابی کارنامے کی اصل نوعیت کا بیان، ان کا اور ان کے سلسلے کے مشائخ کا اپنی اور بعد کی صدیوں پر گہرا اثر اور ان کی اصلاحی و تربیتی خدمات۔

حصہ پنجم: تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، احیائے دین، اشاعت کتاب و سنت، اسرار و مقامات شریعت کی توضیح و تفسیر، تربیت و ارشاد اور ہندوستان میں ملت اسلامی کے تحفظ اور تشخص کے بقا کی ان عہد آفرین کوششوں کی روداد، جن کا آغاز حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے اصناف و خلفاء کے ذریعے ہوا۔

حصہ ششم: حضرت سید احمد ہمدانی کے مفصل سوانح حیات، آپ کے اصلاحی و تجدیدی کارنامے اور غیر منقسم ہندوستان کی سب سے بڑی تحریک جہاد و تنظیم، اصلاح و تجدید اور اچلے خلافت کی تاریخ۔

(دو جلدوں میں مکمل)

ناشر: فضل ربی ندوی

۱۔ کے ۲۰ ناظم آبادیشن، ناظم آباد کراچی

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی چند اہم شاہکار تصنیفات

نئی رخصت مکمل	ارتخ و دعوت و عزیمت مکمل (مجھے)
حدیث کا بیباکی کردار	مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش
محرک ایمان و مادیت	انسانی دنیا پر ستمناؤں کے عروج و زوال کا اثر
پرانے چراغ مکمل (دہشت)	مصبوبت اور اس کے عالی مقام حاملین
ارکان اربعہ	دریائے کابل سے دریائے یرموک تک
نقوش اقبال	تذکرہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی
کاروان مدیہ	تہذیب و تمدن پر اسلام کے اثرات و احسانات
تساویات	تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب
تعمیر انسانیت	عرب سے کچھ صاف صاف باتیں
حدیث پاکستان	نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں
اصلاحیات	دبستان کی بہار آئی
صحیفہ اہل دل	ولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت
کاروان زندگی مکمل	محرم مقدس اور مسرورۃ العرب
مدہب و تمدن	معاصرین دین کی تفہیم و تشریح
دستور حیات	ترکیب و احسان یا تصوف و سلوک
حیات عبدالحق	طالعہ قرآن کے بنیادی اصول
دوستی و تصویب	سوانح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا
تحفہ پاکستان	فوائین دور دین کی خدمت
یا حاسراغ زندگی	کاروان ایمان و عزیمت
عالم بی کا المیہ	سوانح مولانا عبدالقادر راسے پوری

پیشہ، فضل رقبہ ندوی — فون ۶۲۱۸۱۷-۶۲۰۸۹۹

مجلس نشریات اسلام کے ۱۰۰ نام آبدار نشن نام آباد کراچی

5280028
Book Traders
61..